ادب، ادیب
اور
عالمی امن

سرپرست اعلیٰ : پروفیسر ڈاکٹر شفقت حسین رفیقی
(پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، ڈوڈہ)

مدیر : ڈاکٹر اختر حسین
(صدر شعبۂ اُردو گورنمنٹ ڈگری کالج، ڈوڈہ)

معاون مدیر : ڈاکٹر امتیاز احمد
(اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، ڈگری کالج، ڈوڈہ)

ناشر

گورنمنٹ ڈگری کالج ڈوڈہ، جموں و کشمیر

منتظمین واراکین و یک روزہ قومی سیمینار
بعنوان ”عالمی امن میں زبان وادب کا کردار“
سیمینار مورخہ: ۲۳ دسمبر ۲۰۱۷ء

سرپرست اعلیٰ:
پروفیسر ڈاکٹر شفقت حسین رفیقی [پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ڈوڈہ]

ممبران صلاح کار کمیٹی
۱۔ پروفیسر بابورام صدر شعبہ علمِ کیمیات ۲۔ ڈاکٹر جاوید اقبال ترمبو صدر شعبہ علمِ معاشیات
۳۔ محترم ایشونی کمار صدر شعبہ ہندی ۴۔ محترم کیول کرشن منہاس صدر شعبہ تعلیم
۵۔ محترمہ فلک صدر شعبہ انگریزی ۶۔ محترم بشیر احمد صدر شعبہ علمِ طبعیات
۷۔ ڈاکٹر وحید خاور بلوان اسسٹنٹ پروفیسر علمِ حیاتیات

انتظامیہ کمیٹی
۱۔ ڈاکٹر اختر حسین [مہتمم یک روزہ قومی سیمینار] ۲۔ ڈاکٹر امتیاز احمد [معاون مہتمم]

ممبران انتظامیہ کمیٹی
۱۔ ڈاکٹر اعجاز احمد وانی صدر شعبہ علم حیاتیات ۲۔ ڈاکٹر سروجیت سنگھ صدر شعبہ جغرافیہ
۳۔ محترم یونس رشید اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علمِ نباتات ۴۔ محترم یاسر عرفات اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عربی
۵۔ محترم امتیاز احمد اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علمِ حیاتیات ۶۔ ڈاکٹر محمد اسلم اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علمِ کیمیات
۷۔ محترم زین العابدین بانڈے صدر شعبہ علمِ سیاسیات ۸۔ محترم راکیش کمار اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علمِ طبعیات

تکنیکی صلاح کار
۱۔ ڈاکٹر وحید خاور بلوان ۲۔ ڈاکٹر جمشید احمد (اسسٹنٹ پروفیسر انگریزی) ۳۔ ڈاکٹر محمد اسلم

رجسٹریشن کمیٹی
۱۔ ڈاکٹر تاثر شریف صدر شعبہ علم نباتات ۲۔ محترم محمد اشرف صدر شعبہ علم تاریخ
۳۔ محترم اُنکش راج اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ کمپیوٹر سائنس ۴۔ ڈاکٹر انیتا کوتوال اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ فلسفہ
۵۔ ڈاکٹر پریتی دیوی اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ تعلیم ۶۔ محترم زین بن حسین بٹ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علمِ سیاسیات
۷۔ عبدالقیوم ہیڈ کلرک ۸۔ بھوشا دیوی سینیر اسسٹنٹ

© جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ھیں

نام کتاب	:	ادب،ادیب اور عالمی امن
مرتبین	:	ڈاکٹر اختر حسین (اسسٹنٹ پروفیسر اُردو)
		ڈاکٹر امتیاز احمد (اسسٹنٹ پروفیسر اُردو)
سائز	:	23 X 36 /16
تعداد	:	500
سال اشاعت	:	2018ء
قیمت	:	350روپے
کمپیوٹر کتابت	:	TFC **سنٹر**، مدینہ چوک گاؤ کدل سرینگر 2473818
طباعت	:	**الحیات** پرنٹو گرافرس سرینگر 9419525103

ناشر

گورنمنٹ ڈگری کالج ڈوڈہ جموں وکشمیر

انتساب

کر دیا ہے عہدِ نَو نے جن کو گھٹن سے ہمکنار
اُن حسیں معصوم بچوں، کل کے انسانوں کے نام
(صاغرؔ صحرائی)

فہرست مضامین

عنوان	قلمکار	صفحہ نمبر
افتتاحی کلمات	ڈاکٹر اختر حسین	07
خاص بات	پروفیسر ڈاکٹر شفقت حسین رفیقی	11
تاثرات	ڈاکٹر محمد ریاض احمد	14
لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے!	اشتیاق احمد دیو	16
عالمی امن کے لیے ادب کی ضرورت و اہمیت	پروفیسر ڈاکٹر شہاب عنایت ملک	21
عالمی امن میں زبان و ادب کا کردار	ڈاکٹر امتیاز احمد بھلیسی	34
قرآن اور امنِ عالم کے عناصر ترکیبی	ڈاکٹر عنایت اللہ وانی ندوی	55
عالمی امن میں ہندی زبان و ادب کا کردار	ایشونی کمار	61
عالمی امن میں حضرت عمرؓ کے خطبات اور خطوط کا کردار	یاسر عرفات بیگ ندوی	66
امن کا تصور قرآن اور حدیث کی روشنی میں	محمد اشرف/ ڈاکٹر محمد اسلم راتھر	71

اُردو سفر ناموں میں عالمی امن اور انسان دوستی کا پیغام (آزادی کے بعد)	الطاف احمد	78
فارسی شاعری میں اخلاق، مقامِ آدمیت اور امن عالم کے عناصر	ڈاکٹر مدثر نظر	95
''شیخ سعدیؒ کے اخلاقی اقوال واشعار میں امن کا پیغام''	یاسر عرفات طلبگارؔ	102
سعدی شیرازی کی شاعری میں امن اور انسان دوستی کے عناصر	صفی محمد نایک	110
عالمی امن میں اُردو زبان وادب کا کردار	پرشوتم سنگھ	116
اردو شاعری میں امن کا پیغام انسانیت کے نام	محمد رفیع	121
اُردو زبان وادب میں امن کا پیغام	مشتاق احمد (صدیقیؔ)	129
اردو زبان وادب اور عالمی امن	شاہد اقبال	136
علامہ اقبال کی نظر میں عالمی امن	بیگ امتیاز یوسف	144
عالمی امن میں علامہ اقبالؒ کی شاعری کا کردار	ادریس احمد فلاحیؔ	156
علّامہ اقبال کی شاعری میں عالمی امن کا پیغام	محمد الیاس	164
اُردو شاعری میں عالمی امن کا پیغام	اعجاز احمد	169
اردو نظم میں امن اور انسان دوستی کے عناصر	محمد جلیل اقبال خاکی	176
جاہلی ادب میں امن وامان کا تصور	بلال احمد اصلاحی	186
عالمی امن میں اُردو زبان وادب کا کردار	پرویز احمد راتھر	199

❖❖❖❖

افتتاحی کلمات

ڈاکٹر اختر حسین
صدر شعبہ اُردو گورنمنٹ ڈگری کالج ڈوڈہ
مہتمم یک روزہ قومی سمینار بعنوان:
''عالمی امن میں زبان وادب کا کردار''

خدا وند ا میں تیرے نام سے آغاز کرتا ہوں
تیرا بندہ ہوں، تیری رحمتوں پہ ناز کرتا ہوں
فقط تیری مدد اور استعانت کے بھروسے پر
مجھے اُڑنا نہیں آتا، مگر پرواز کرتا ہوں

معزز قارئین خواتین وحضرات یہ بات کسی بھی صاحبِ فراست سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ہم ایک نہایت ہی پیچیدہ دور سے گذر رہے ہیں۔ دُنیا جغرافیائی خِطوں میں نہیں بلکہ قومی ریاستوں میں بٹی ہوئی ہے۔ جسے انگریزی میں Nation States کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بین الملی تعلقات آج مذہبی اور فرقہ وارانہ کش مکش اور رسہ کشی کا شکار ہیں۔ Consumerism اور تجارتی اغراض کی خاطر قوموں کے قدرتی وسائل کا استحصال کیا جارہاے۔ چند قوتیں محض اپنے اسلحہ کی فیکٹریوں کو متحرک رکھنے کی خاطر جنگوں کو ہوا دیتی رہتی ہیں۔ ہر کوئی ان اسلحہ کی لابیوں کے ہاتھوں یرغمال بنا ہوا ہے، دُنیا کو برباد کرنے کے درپے ہے اور یہ محض ستم ظریفی ہی ہے کہ ان بڑی طاقتوں کی یونیورسٹیاں،

میڈیا اور تحقیقی ادارے جن کو اس غارت گری کا ناقد ہونا چاہیئے تھا آج انہی جنگی اور اسلحہ ساز کمپنیوں پر انحصار کرتے ہوئے خود ان کے ہاتھوں کا کھلونا بن چکے ہیں۔ لہٰذا سول سوسائٹی کی تنقید اب نقار خانے میں طوطی کی آواز کی مانند ہو گئی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ عالمی امن کے ادارے نے اپنے پہلے ہی اجلاس میں کہا تھا کہ اس پُر فریب دور کی اصلاح کے لئے دُنیا کے شعراء و اُدباء کو اپنا ازلی کردار ادا کرنے کے لئے سامنے آنا چاہیئے۔ چونکہ ادیب کسی با مقصد معاشرے کے ایسے فکری رہبر ہوتے ہیں جو سماج کے باقی افراد کے مقابلے میں زیادہ فلسفیانہ صداقتوں کے ساتھ ایک اعلیٰ شعور اور شادمان طبیعتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام کو چھوڑ کر باقی پوری انسانی تاریخ کا کوئی سیاستدان، بادشاہ یا جرنیل بدامنی اور آدم کی ارزانی کا اتنا برملا مخالف نہیں ہو سکتا جتنا شاعر اور ادیب ہوتا ہے۔

معزز خواتین و حضرات انہی جذبات و احساسات سے مغلوب ہو کر یہ جانتے ہوئے بھی کہ بستی اُجاڑ ہے دل نے نہایت نامساعد حالات میں انسانی عظمت کی تذلیلی فضاء کے پیش نظر یہ کہہ دیا کہ اک نعرۂ مستانہ آج بھی بلند ہوتا رہنا چاہیئے

''پیار سب سے نفرت کسی سے بھی نہیں''

جب کل غالبؔ

اطاعت میں تا رہے نہ مے و انگبین کی لاگ
دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو

کہہ کر دُنیا کو بے غرض اطاعت کا سبق دے سکتا ہے تو پھر آج کا ادیب بے غرض نہ سہی باغرض اطاعت کا سبق ہی بنی نوع انسان کو دے دے چونکہ اُسے خُدا نے باقی خوبیوں کے ساتھ بیان کرنے کا ہنر ودیعت کیا ہے۔ لوگ ماں باپ و اُستاد کا کہا نظر انداز کر دیں تو کر دیں لیکن شاعر و ادیب کی بات فوراً از بر کر لیتے ہیں۔ یہ اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اُس نے ادیب و شاعر کی بات میں اثر پزیری رکھی

ہے۔ادیب کوبھی چاہئے کہ شکرانے کے طور پر اپنے خالق کی مخلوق کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرے۔سومیرا آج کا ادیب سے یہی کہنا ہے کہ اگر کل کا ادیب غاصب طاقتوں کےخلاف عوام کوایک قوم بنا کر یہ اعلان کرواسکتا ہے کہ

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوِ قاتل میں ہے

تو آج کاادیب ایسی فضاء نا مساعد سے نا مساعد حالات میں بھی پیدا کر سکتا ہے کہ جس میں ہر فرد بشر یہ کہنے پر فخر محسوس کرے کہ ؎

میرا تو بس ایک یہی ہے، اس دل میں ارمان
اُلفتِ آدم مقصد ہو، اور امن و اماں پہچان

پریم چند نے ترقی پسند تحریک کے پہلے اجلاس میں ایک زمانے میں کہا تھا کہ ''ہمیں حسن کے معیار کو بدلنا ہوگا''۔لیکن اب ہمارے یہاں وہ دور آیا ہے کہ مجھے یہ کہنے کی اجازات ملنی چاہئے کہ ''ہمیں اپنے دلوں کو بدلنا ہوگا''

مولانا جلال الدین رومیؒ کے ایک شعر کی کسی انگریزی مترجم نے نہایت خوبصورت ترجمانی کی ہے۔

Yesterday I was clever so I wanted to change the world today I am wise so I want to change my self.

پس ادیب کو سب سے پہلے خود کو بدلنا ہوگا۔دُنیا کا یہ خیر وشر کے درمیان جھولتا ہوا گلوب خیر و آفیت کا گہوارہ اب بھی بن سکتا ہے۔اب کے ادیب کو ایک ماں کا کردار بھی ادا کرنا ہوگا۔چونکہ اسوقت ادیب کو خیر اور خیر کے متلاشی نہیں ملیں گے۔اُسے اپنے زورِ قلم سے امن وسچائی کے علمبرار پیدا کرنے ہونگے اور مجھے یقین ہے کہ امن کا چشمہ یہیں سے نکلے گا بس تھوڑا اخلاص اور شدت تپش کے ساتھ ایڑیاں رگڑنے کی ضرورت ہے۔مجھے پورا یقین ہے کہ آج کا ادیب بھی اپنی

فطری اور جبلی طاقتوں کا مالک ہے وہ فرض کا بخوبی ادراک رکھتا ہے وہ ضرور تباہی کے دہانے پر لرزتی ہوئی دنیا کو خوبصورت دل دے کر بچالے گا۔ یہ دور صرف اور صرف مجاہد قلم کا دور ہے اس دور میں میدانِ کارزار صرف ادیب کے حصے میں آیا ہے وہ اس دور کا تنہا مجاہدِ امن وسلامتی ہے چونکہ اس دور کا فاتح وہ ہے جو اپنی بات کہنے کا سلیقہ اور مناسب الفاظ کے چناو کا ملکہ رکھنے کی دولت رکھتا ہو اور وہ کوئی نہیں سوائے ادیب کے۔ چونکہ تلوار کسی ایک وقت میں ایک میدان جنگ کے سو پچاس لاکھ یا کروڑ دشمنوں کا خاتمہ کرسکتی ہے، مگر قلم کا لکھا کروڑوں سال گزرجانے کے بعد بھی ہر میدان میں دلوں پر اثر پزیر ہے۔ اسلئے دیر پا امن کا قیام بھی تب ہی ممکن ہے کہ جبکہ امن کے راستوں کی طرف رہنمائی کرنے والی کلاسیکی تحریریں دنیا میں آشکار کر لی جائیں۔ جو دلوں کو موہ لیں اور ہمارے درمیان موجود رہیں، اور انسان کی بھلائی کے لئے صدقہ جاریہ کا کردار ادا کرتی رہیں۔ آج کی یہ پُر وقار تقریب ایک ایسے ہی دور کے آغاز کی ابتدائی کڑی ہے اس میں جتنی بھی خوبیاں آپ کو نظر آئیں وہ تمام خوبیوں کے استعارے سرپرست اعلیٰ جناب ڈاکٹر شفقت حُسین رفیقی اور گورنمنٹ ڈگری کالج ڈوڈہ کے تدریسی وغیر تدریسی عملہ کے نام ہیں۔ جبکہ شعبہ اُردو اُن کمیوں کا ذمہ دار ہے جو اسمیں رہ گئیں ہوں گی۔ المختصر

چراغوں کے سفر میں دبدبہ ہو آندھیوں کا
تو پھر انجام ظلمت کے سوا کچھ بھی نہیں
یہ دُنیا نفرتوں کی آخری سٹیج میں ہے
علاج اسکا محبت کا سوا کچھ بھی نہیں

❖❖❖❖

خاص بات

پروفیسر ڈاکٹر شفقت حسین رفیقی
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ڈوڈہ

ایک اُستاد کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا بات مسرت و انبساط کی ہوسکتی ہے کہ اُس کے شاگردانِ عزیز اپنے تعلیمی سفر کو تکمیل تک پہنچانے کے بعد اس مقام تک پہنچ چکے ہیں کہ اب وہ اپنے اُستاد کی قیادت کے دستِ راس بن کر تعلیم و تعلم کے گلزاروں میں نئے نئے رنگین و دل کش مناظر بکھیرنے میں نہایت ہی تندہی کے ساتھ تن من، دھن سے برسرِ پیکار ہیں۔

زیرِ نظر کتاب جس کا عنوان ''ادب، ادیب اور عالمی امن'' ہے کے بارے میں اظہارِ خیال تحریر کرتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے میں اپنی سروس کے سب سے بہترین دور سے گذر رہا ہوں اس مسرت و شادمانی کی سب سے بڑی اور وجہ یہ ہے کہ آج میں جس تعلیمی ادارے کی قیادت و سعادت کی ذمہ داری کا بوجھ اپنے کندھوں پر لئے ہوئے سروس کے سفر کی منزلیں طے کر رہا ہوں۔ وہ کالج اور تعلیمی ادارہ میرے ضلع یعنی ضلع ڈوڈہ کے صدر مقام سے ایک کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اس خطۂ ارضی سے مختلف وجوہات سے دلی مناسبت ہونے کے علاوہ آج ایک مزید کشش کی وجہ یہ ہے کہ آج اس کالج میں تدریسی عملہ کی اکثریت اُن نوجوانوں ملک و قوم پر مشتمل ہے جن کی ذہانت، فطانت، ثقاہت اور فقاہت قابلِ رشک و سدا افتخار ہے۔

راقم الحروف نے جونہی کالج کا نظم و نسق سنبھالا تو گرد و پیش کا ماحول علم و عرفان کے روشن ستاروں کی موجودگی وجہ سے ہفت رنگِ اقلیم کا سا منظر پیش کرنے لگا۔ میرا سب

سے پہلا اور بنیادی کام وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق یہ طے پانا تھا کہ اس بکھری ہوئی سنہری روشنی کو ایک سمت و رفتار عطا کی جائے یہ ایک ایسا کام تھا جس نے ادارے کی بنیادی ضروریات کو بحُسن وخوبی پورا کرنے میں اینٹ گارے کا کام دیا۔ چناچہ پہلے سال کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے جہاں کالج کے دیگر شعبہ جات جن میں شعبۂ علم الحیوانات، شعبۂ کیمیات، شعبۂ معاشیات، شعبۂ انگریزی، عربی، فارسی، ہندی، حساب، سیاسیات، سماجیات، تواریخ، جغرافیہ، شعبہ علم النبّا تات اور ماحولیات خاص طور سے اہمیت کے حامل ہیں، نے تعلیم و تعلم کے اعتبار سے ایک کلیدی رول ادا کیا اور وہیں شعبہ اُردو نے نصابی اُمور کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے ساتھ ہی ساتھ کالج کے تدریسی وغیر تدریسی عملے کی معاونت سے ایک ضلعی سطح کا مشاعرہ اور ایک قومی سطح کا سیمنار بعنوان ''عالمی امن میں زبان وادب کا کردار'' کرانے میں اپنی فعالیت لیاقت اور قابلیت کو منوانے میں کوئی کمی باقی نہ رکھی۔

زیر نظر کتاب اسی سمینار میں پڑھے جانے والے مقالات پر مشتمل ہے جو ریاست اور بیرونِ ریاست سے تشریف فرماں ادب وسماج سے وابستہ اسکالرز اور محقیقن نے عرق ریز تحقیق کے بعد تحریر فرمائے ہیں۔ اگر چہ خطۂ چناب کے تمام کالجوں میں گورنمنٹ ڈگری کالج ڈوڈہ کا یہ پہلا اور آزمائشی قدم تھا۔ لیکن اس کے باوجود شُعبہ اُردو نے جس خوشی اسلوبی سے اس سمینار کو کتابی شکل تک دینے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اُس کے لئے شعبہ اُردو بالخصوص اور گورنمنٹ ڈگری کالج ڈوڈہ کا جملہ عملہ بالعموم دل کی عمیق ترین گہرائیوں سے ہزار بار مبارکبادی کا مستحق ہے۔

کتاب میں شامل مواد کی نسبت سے کوئی حتمی رائے پیش کرنا میرے موضوع سے باہر ہے چونکہ ادب اور تحقیقن کے اندر کوئی بھی چیز حتمی نہیں ہوتی ہے۔ چونکہ ادب اور ادیب سائنسی حد بندیوں سے باہر کی چیزیں ہیں۔ ادب میں ایک جمع ایک کبھی ایک بھی ہوتا ہے اور کبھی دو بھی چونکہ ایک قطرہ جمع ایک قطرہ پھر بھی ایک ہی قطرہ بنتا ہے۔

ہاں اس بات کا ذکر نا اس وقت اپنی قلم و قرطاس پر فرض سمجھتا ہوں کہ وقت اور حالات کے تقاضوں کے پیش نظر شعبہ اُردو سے تعلق رکھنے والے دو اشخاص یعنی صدر شعبہ اُردو اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر اختر حسین اور اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر امتیاز احمد بھلیسی نے سیمینار کے موضوع کے حوالے سے جس سماجی، سیاسی اور ثقافتی شعور کا مظاہرہ کیا وہ وقت اور حالات کی نبض پر اُنگلی رکھنے کے مترادف ہے۔ مزید برآں یہ کہ نہ صرف سماجی شعور کا مظاہرہ بلکہ ادب کی افادیت اہمیت اور وسعت کا ادراک و احساس کی ترجمانی کا بھی ایک زندہ جاوید ثبوت ہے۔ اس شعور و فکر سے ادب میں نئے منازل اور نئی روشنی کے امکانات وا ہونے کے اسباب فراہم ہونگے۔ ادب و ادیب جن قدیم اور فرسودہ جکڑ بندیوں میں بندھا رہتا ہے اُن ہتھکڑیوں کو توڑ کر نئی سمت و رفتار نصیب ہو سکتی ہے۔ ایسے سیمنار بالعموم اور ان سیمناروں میں سماج اور معاشرے کی ابتری کے اسباب کے حوالے سے ایسے موضوعات کا انتخاب جو بُرائی کے شعور و احساس کے ساتھ ساتھ اس کے تدارک میں معاون ثابت ہوں بالخصوص قابل داد اور باعث سدافتخار ہیں۔

ہمارے سماج اور معاشرے کے اندر استعماری اور مادی یلغار نے جذبہ محبت اور تلاش راحت و سکون کو شل کر دیا ہے۔ وقت کی ضرورت ہے کہ ایسے پروگراموں کا اہتمام کیا جائے جو ہمارے سماج کی روحانی تیمارداری کے محرک ہوں شاید انہی جذبات سے مغلوب ہو کر مذکورہ سیمینار کا انعقاد کیا گیا تھا۔ ضرورت ہے کہ ایسے پراگواموں کے منتظمین کی حوصلہ افزائی کی جائے سر دست شعبہ اُردو کے دو سرخیل اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر اختر حسین اور اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر امیتاز احمد بھلیسی اور اُن کی پوری ٹیم گورنمنٹ ڈگری کالج ڈوڈہ کا وتدریسی وغیر تدریسی عملہ اس مبارکبادی کا ایک بار پھر مستحق ہیں۔ اس دُعا کے ساتھ کہ ؎

ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

تاثرات

ڈاکٹر محمد ریاض احمد
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، جموں یونیورسٹی

زبان کو ''جذبات کی سانس'' کہا گیا ہے۔ انسان اپنے احساسات وجذبات کی ادائیگی کے لیے زبان کا استعمال کرتا ہے۔ انسان کی سماجی حیثیت مسلم ہے وہ اپنی تہذیب وثقافت سے انحراف نہیں کرسکتا، مل جل کر رہنا اس کی سرشت میں ہے۔ بنیادی طور پر انسان امن کا پیمبر ہے لیکن قومی اور بین لاقوامی سطح پر زبان وادب اور تہذیب وثقافت کے حوالے سے جو مختلف تصورات ونظریات سامنے آرہے ہیں ان کے منفی اثرات زیادہ مرتب ہورہے ہیں۔ عالمیت اور صارفیت کے اس دور میں مادیت اور خودغرضی نے بڑی تیزی سے اپنی جگہ بنائی ہے۔ انسان دوستی اور وسیع المشربی ہمارے سماج اور معاشرے سے ناپید ہوتے جارہے ہیں۔ عالمی سطح پر مختلف ملکوں کے درمیان سیاسی ، اقتصادی اور تجارتی معاملات میں بھی ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے۔ چہار طرف تشخص کا مسئلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی اور سماجی نظام پر سے لوگوں کا بھروسہ کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ مادیت ذاتی مفاد پرستی ،فرقہ واریت اور لسانی و علاقائی عصبیت میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اس صورت حال میں زبان و ادب کا رول زیادہ اہمیت کا حامل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ زبان و ادب نے ہر دور میں امن ، مساوات اور انسان دوستی کے تصورات کو فروغ دینے میں اہم رول ادا کیا ہے۔

جموں و کشمیر کے دور دراز علاقے خطہ چناب کے ضلع ڈوڈہ کے کالج میں امن عالم میں زبان و ادب کے رول جیسے اہم موضوع پر سیمنار کا انعقاد کرنا بہت ہی خوش آئند قدم ہے۔ وادئ چناب کا ایک مشہور خطہ ڈوڈہ ہے۔ یہ خطہ سماجی، سیاسی، تہذیبی اور تاریخی لحاظ سے ہی نہیں بلکہ جغرافیائی اعتبار سے بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ یہاں کے اونچے اونچے پہاڑ، حسین وادیاں، قدرتی آبشار، پانی کے جھرنے، خوبصورت صحت افزاء مقامات، ندی، نالے، سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی سڑکیں، دیوداروں کے درخت اس خوبصورت وادی کے حسن میں بے پناہ اضافہ کرتے ہیں۔ اس خطے کے فطرتی مناظر مورخوں، سیاحوں، شاعروں اور ادیبوں کے مشاہدے میں رہے ہیں۔ اس حسین وادی نے کئی نامور شعراء و ادباء پیدا کیے۔ یہ خطہ علمی و ادبی اعتبار سے اپنی منفرد شناخت رکھتا ہے۔ اس خوبصورت وادی سے امن و سکون کا پیغام دینا بھی ایک فطری عمل ہے۔ ڈگری کالج ڈوڈہ کے پرنسپل ڈاکٹر شفقت حُسین رفیقی اور صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر اختر حسین کی ذہنی اختراع کا نتیجہ ہے کہ اس اہم موضوع پر سیمنار کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ اس سیمنار میں پڑھے گئے مقالے کے دوررس اثرات مرتب ہونگے۔ میں ایک بار پھر کالج کے تمام اراکین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اس اہم موضوع پر سیمنار منعقد کرانا نہ صرف اپنے کالج کا نام روشن کیا ہے بلکہ جموں و کشمیر کا سر بھی فخر سے بلند ہو گیا ہے۔

❖❖❖❖

لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے!

اشتیاق احمد دیو
(9596704004)

ستّر اوراسّی کے دہائی کی بات ہے جب ڈوڈہ میں ڈگری کالج کی عدم موجودگی کا احساس شدّت سے محسوس کیا جارہا تھا وہیں 1968ء میں ایڈوکیٹ محمد اکبر کچلو کی قیادت میں ،،سٹوڈنٹس فیڈریشن ڈوڈہ،، کی طرف سے پرزور اور فیصلہ کن ڈگری کالج تحریک کی ناکامی کا ذکر بھی ہوتا ہے 1985ء میں ریاستی وزیراعلیٰ غلام محمد شاہ کے دوراور پھر گورنرراج جگموہن کے دوران ڈوڈہ ڈیویلپمنٹ فرنٹ نے دوبارہ اس تحریک کا احیائے نو کیا اور پھر 1988ء میں اس وقت نوجوانوں نے ،،ڈوڈہ یوتھ فرنٹ ،، کے بینر تلے تیسری بار اس تحریک کا آغاز کیا اور اللہ کے فضل وکرم سے یہ تحریک 1989ء میں کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور اِس اِدارے کا قیام ہوا مگر اگلے ہی برس ریاست کے حالات یکسر بدل گئے پھر تمام سیاسی سماجی تعمیراتی سرگرمیاں معطل ہوئی اور اگلے سات آٹھ برس صبح کو شام اور شام کو صبح کی فِکر ہوتی تھی اور زندگی کے تمام شعبوں میں نئی اصطلاحیں شروع ہوئی 1996ء میں دوبارہ پرخطرو انتہائی کھٹن سیاسی عمل شروع ہوا تو 1997ء کے ضمنی انتخابات میں فاتح رہے ممبر قانون اسمبلی جموں کشمیر حلقہ ڈوڈہ خالد نجیب سہروردی پر اِس کالج کو ترقی کے منازل طے کرانے اور راتوں رات کالج کو آسمان کی بُلندیوں پر لے جانے کا جنوں سوار تھا وہ گزشتہ چار پانچ دہائیوں میں ڈوڈہ میں کالج کی عدم موجودگی سے

ہونے والے نقصان کا چند برسوں بلکہ چند ماہ میں ازالہ چاہتے تھے اس کا من چلتا تو چند یوم میں ہی ڈوڈہ کالج کو ریاست کی ایک بڑی یونیورسٹی بناتے کہ اِسی دوران 2002 کا سیاسی الٹ پھیر ہوا جس کے بعد ریاست میں تعلیمی میدان میں انقلاب آیا (55) پچپن برسوں میں جس قدر کالج کھلے تھے اسی تعداد میں آنے والے برسوں میں کھلے SSA,RAMSA اور کیا کیا ہوا ہندوستان کے قدآور رہنماؤں میں سے ایک غلام نبی آزاد بھی وزیر اعلیٰ بنے اور دوبار GDC ڈوڈہ کا رخ کیا مگر کالج کو وہ نصیب نہ ہوا اور یہ سلسلہ بارہ برسوں تک جاری رہا دنیا کہاں سے کہاں پہنچی مگر ہم وہیں رہے جہاں 2002 میں تھے 2014 میں ہونے والے سیاسی الٹ پھیر کے بعد کے حالات پر ابھی تبصرہ کرنا قبل از وقت ہوگا البتہ اندرونی سطح پر GDC ڈوڈہ میں ڈوڈہ کی دختر کے بطن سے پیدا ہونے والے جواں سال بھدرواہ کے معزز گھرانے سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر شفقت حسین رفیقی نے کالج کی قیادت سنبھالی تو چھ ماہ کے اندر کالج کے اندر غیر معمولی ہلچل محسوس ہوتی ہے آخر اس کی نانی کا کالج جو ٹھہرا۔۔۔۔۔۔ایک سپوت کو جو کرنا چاہیے ویسا ہی کر رہے ہیں اور جس کالج کو اہلیان ڈوڈہ وہی مقام ڈوڈہ میں چاہتے ہیں جو ہندوستان میں JNU کو حاصل ہے اس طور کالج میں تعلیمی، نیم تعلیمی، غیر نصابی سرگرمیوں کا آغاز ہوا جس میں کئی پروگرام ہوئے اِس سلسلہ میں کالج نے ایک ایسے پروگرام کی ٹھان لی جو انتہائی زیادہ مشکل اور ایک نئی سوچ کا آغاز تھا۔ مگر ایک کامیاب سالارِ اعلیٰ وہی ہوتا ہے جو صلاحیتوں کے مطابق فوجی سپاہیوں، جرنیلوں کی قیادت کرے تو جنگ جیتنا آسان ہو جاتا ہے ایسے میں ایک نئے موضوع،، عالمی امن میں زبان و ادب کا کردار،، پر مباحثہ منعقد کرنا کالج کی تعمیر و ترقی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اِس کامیاب سیمینار،، مباحثہ،، کا سہرا کسی ایک کو دینا ناانصافی ہوگی۔

اس پروگرام کی کامیابی میں شعبہ اُردو کے ڈاکٹر اختر حسین اُدھیاپوری ڈاکٹر

امتیاز ذرگر سے لے کر کالج کے چوکیدار تک اور جملہ طالب علموں نے بھر پور طریقہ سے خون خشک کیا اور دنیا اُردو کے ایک جرنیل ڈاکٹر شہاب عنایت ملک کی موجودگی کے ساتھ ساتھ اُن کے استاد ڈوڈہ کے دورافتادہ علاقہ مرمت سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر اسداللہ وانی کی شرکت و گہری دلچسپی جوش وجذبہ نے اس کانفرنس کو آسمان کی بلندیوں پر لیا۔شہاب عنایت بھی وادی چناب کے ہی سپوت ہیں جو نہ صرف ریاست یا ملک بلکہ ملک سے باہر بھی ایک پہچان رکھتے ہیں اور ایسے پروگرام کی تحریک رکھتے ہیں۔جب کہ ڈاکٹر اختر حُسین اُدھیاپوری اور ڈاکٹر امتیاز حُسین ذرگر اُردو زبان کے'' آج''ہیں اور اگر ان دونوں کے پاؤں زمین پر رہے اور شہرت و نفس پر قابو رکھنے کی توفیق اللہ رب العزت نے عطا کی تو یہ دونوں اُردو کے'' کل'' بھی ہیں۔

کالج میں طویل عرصے تک بطور صدر شعبۂ اُردو وصدر مدرس رہے پروفیسر ظہیر عباس ہاشمی نے پروگرام میں شرکت کر کے یہ پیغام دیا ہے کہ وہ اس ادارے کی تعمیر وترقی میں اب بھی وہی دلچسپی رکھتے ہیں جو دورانِ ملازمت رکھتے تھے۔ ایسے کوئی بھی پروگرام کے لئے نیند اڑانا خود کو مشکلات میں ڈالنا،اذیت ناک دور سے گزرنا ضروری ہے ورنہ ایسے پروگرام نہیں ہو سکتے ہیں یہ راقم کا ذاتی تجربہ ہے۔ پروگرام میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی ،دہلی یونیورسٹی ،جامعہ ملیہ دہلی،عثمانیہ یونیورسٹی، برکت اللہ یونیورسٹی ،حیدرآباد یونیورسٹی ، سے وابستہ محققین سکالروں کی شرکت اِس بات کا صاف اور واضح پیغام ہے کہ پروگرام اس کا موضوع کس قدر اہمیت کا حامل تھا قارئین کو بتا تا چلوں چھوٹی جگہ سے بڑی جگہ سفر کرنا آسان ہے مگر بڑی جگہ بالخصوص ملک کی راجدھانی اور وہ بھی ملک کے سب سے بڑے تعلیمی جامعات جیسے اِداروں سے ڈوڈہ جیسے دور دراز پسماندہ دشوار گزار اور کئی وجوہات سے بدنام جگہ پر آنا اس بات کا صاف اور واضح اِشارہ تھا کہ یہ کانفرنس کس قدر اہم

تھی۔اِسی دوران شہاب عنایت نے اگلے برس ایک اورقومی سطح کی کانفرنس کا انعقاد کا اعلان کر کے کالج انتظامیہ وڈوڈہ کے ادبی اورعوامی حلقوں میں اورلہوگرما دیا ہے امید ہے کہ کالج میں عنقریب بین الاقوامی کانفرنس کا بھی انعقاد ہوگا اس کانفرنس میں ڈاکٹر اختر حسین وڈاکٹر امتیاز زرگر کی دِن رات محنت ڈاکٹر جاوید اقبال ترمبو کی اپنے مزاج کے حساب سے مکمل تعاون ڈاکٹر وحید خاور بلوان نے اپنی فطرت کے عین مطابق کام کیا تو ڈاکٹر جمشید زرگر بھی سرگرم دکھے۔ڈاکٹر محمد اسلم نے جدید ہُنر مندی سے اس کانفرنس کو کالج کے ایک ہال سے اُٹھا کر پورے کالج میں پھیلا دیا جبکہ میرے ہم جماعتی راجہ اظہار غازی میر بھی اپنے مزاج کے مطابق نظر آئے۔وہیں حسب سابقہ پروفیسر بابورام کے NCC کے چاک وچوبند دستوں کی مہمانان گرامی کوسلامی اور گارڈ آف آنر وتام جام کے ساتھ خوش آمدید نے بھی ایک سما باندھا۔طالب علموں کی باہر سے آنے والے سکالروں کی طرف سے پڑھی جانی والے تحریروں ومکالوں میں گہری دلچسپی نے یہاں کے فن وادب میں دلچسپی کے پہلو کو اجاگر کیا۔

ڈاکٹر اختر حُسین کا خطبہ استقبالیہ ایک نئے انداز میں تھا اور عالمی سطح سے مقامی سطح تک امن میں زباں کے کردار کو جامعہ انداز میں پیش کیا، جبکہ علم وادب میں اُن کے کہیں آگئے ماہر اقبالیات ڈاکٹر امتیاز زرگر کا شکرانہ بھی دلچسپ تھا ڈاکٹر امتیاز زرگر صوبہ جموں کے اُردو ادب میں صف اول کے لوگوں میں شمار رکھتے ہیں۔اس کانفرنس پر کالج انتظامیہ خود کتابچہ تحریر کر رہا ہے اسلئے میں اپنے مضمون کو یہیں سمٹتے ہوئے قارئین کا شکرایہ ادا کرتا ہوں امید ہے کہ آنے والا وقت ہمارے خوابوں کی شرمندہ تعبیر کا وقت ہوگا جب نہ صرف ڈگری کالج ڈوڈہ میں انڈر گریجویٹ سطح پر تمام مضامین پڑھائے جائیں گے بلکہ پوسٹ گریجویشن کے چند مضامین متعارف کر کے اس کالج کے صدر دروازہ پر بھی، گورنمنٹ پی۔جی۔کالج ڈوڈہ،، کا بڑا بورڈ

نصب ہوگا. جہاں سے ہمیشہ علم کے پروانوں کی آمدورفت کا روح کو پُرسکون کرنے والا منظر دیکھنے کو ملے گا بلکہ ہم کو یہ بھی یقین ہے کہ آنے والے وقت میں ڈوڈہ میں RUSA کے تحت کلسٹر یونیورسٹی کا بھی قیام ہوگا۔ زنانہ کالج بھی ہوگا اور علٰحیدہ جموں کشمیر اسٹیٹ بورڈ آف سکول ایجوکیشن ڈوڈہ بھی ہوگا اور بھی کئی فنی تعلیمی ادارے ہوں گے جہاں نہ صرف ریاست بلکہ بیرونی ریاست سے بھی علم کے پروانے اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے سرزمین ڈوڈہ کی معتدل آب و ہوا سے محضوض ہوں گے۔ لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے۔

❖❖❖❖

عالمی امن کے لیے ادب کی ضرورت و اہمیت

پروفیسر شہاب عنایت ملک
صدر شعبہ اُردو جموں یونیورسٹی
رابطہ نمبر۔ 94191-81351

ادب حظ کا نام ہے، ادب زندگی کی ترجمانی کو کہا جاتا ہے، ادب تفسیرِ حیات ہے، ادب تنقیدِ حیات کا کام کرتا ہے۔ ادب کی بے شمار تعریفیں کی گئی ہیں جن کا احاطہ یہاں ممکن نہیں لیکن ادب کی وسعت میں جہاں دیگر معانی اور مفہوم سما جاتے ہیں وہیں ادب کے معانی کے دائرے میں ادب نئی تعمیر کا بھی نام ہے۔ ادب زندگی کو حسین سے حسین ترین بنانے کا بھی خواہش مند ہے (خواہ وہ انسانی زندگی ہو یا دیگر حیوانات، نباتات وغیرہ کی زندگی ہو) ادب کے خمیر میں حظ، لطف، سکون، راحت، خوشی وانبساط، سلامتی اور امن شامل ہیں۔ ادب رشتے بناتا ہے جوڑتا ہے توڑتا نہیں جب تک ادیب یا شاعر۔ امن اور سلامتی کے پھولوں میں سانس نہیں لے لیتا تب تک اُس کے جذبات واحساسات کے نت نئے تخیل امن کی خواہش میں جنم لیتے رہتے ہیں۔ زندگی تادم حیات، راحت، امن، سلامتی اور محبت کی پیاسی رہتی ہے۔ ایک اچھا اور بڑا ادیب وہی ہوتا ہے جو ایک اچھا انسان ہو کیوں کہ ادیب وشاعر زندگی کو ترقی کے حقیقی مدارج دینے کے متمنی

رہتے ہیں۔ادب میں جانبداری نہیں ہوتی ،ادب میں تعصب کوراہ نہیں ، ادیب یا شاعر زندگی کوخانوں میں نہیں بانٹ سکتا، امن ادب کا غیر نہیں بلکہ ادب میں خمیر کا درجہ رکھتا ہے۔اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ امن اور ادب لازم وملزوم ہیں۔ اُردو کے نقاد ممتاز حسین نے ادب کے حوالے سے کہا ہے’’ادب کا تعلق براہ راست انسانوں کی زندگی سے ہے۔ان کے نفسیاتی اور سماجی مظہر سے جن کا مطالعہ کسی بھی طبقاتی سماج میں غیر جانب دارانہ ہوسکتا ہے...............زندگی کا صرف ایک نقطۂ نگاہ ہے اور وہ نقطۂ نگاہ متحرک بڑھتی اور پھیلتی ہوئی زندگی ہے۔ زندگی پر تنقید صرف اسی نقطۂ نظر سے ہونی چاہیئے‘‘

(بحوالہ اطہر پرویز: ادب کا مطالعہ،ص۔ ۴۴)

ممتاز حسین کے اس بیان میں تین جملے بڑے اہم ہیں۔ایک طبقاتی سماج میں ادب کا غیر جانبدارانہ عمل، دوسرا متحرک بڑھتی ہوئی زندگی اور تیسرا صرف بڑھتی ہوئی نہیں بلکہ نفسیاتی اور سماجی طور پر پھیلتی ہوئی زندگی ۔ یہ زندگی اسی وقت فطری طور پر بڑھ سکتی اور متحرک اور پھیل سکتی ہے جب ہر زندگی فطری طور پر آزاد ہو، ظلم وبربریت کے چنگل میں نہ ہو، نہ جان کے اعتبار سے، نہ مال کے اعتبار سے اور نہ عزت وآبرو کے اعتبار سے۔ادب میں ان تمام اقدار کی فطری آزادی موجود ہوتی ہے۔

کسی بھی معاشرے میں بدامنی تب اپنے پاؤں پھیلاتی ہے جب سماج میں مساویانہ اورانسانی قدروں کی توڑ پھوڑ عمل میں آتی ہے ۔تب سماج، معاشرہ بکھر جاتا ہے ۔یہی غیر فطری توڑ پھوڑ ایک چھوٹی حد سے بڑھ کر عالمی خطوط کو گھیر لیتی ہے جس کے سبب عالمی شکست وریخت ، بدامنی، عدم تحفظ ،تعفن زدہ ماحول عالمی سطح پر اپنے اثرات چھوڑتا ہے ۔ادیب اپنے تخیل کی مدد سے ان ہی گرتی ہوئی قدروں کو احساسات کے مسام سے داخل کر کے جذبات کی بھٹی میں

مہمیز کر کے عقل انسانی اور دلِ انسانی کو بیدار کرنے کی کوشش میں اپنے احتجاج اور سلامتی کی خواہشات کو پرغمال اور سبک رولفظیات میں ڈھالنے کا تخلیقی عمل کرتا ہے۔ مثلاً آپ سڑک پر سے گزر رہے ہوں اور کوئی فاقہ زدہ انسان آپ کو ملے اور یہ بتائے کہ پانچ روز سے ایک دانا بھی میرے حلق سے نہیں اُترا، بھوک سے مارے جان نکلی جارہی ہے،تو فاقے کی یہ کیفیت اور اس کی شدت کو آپ بھرپور طور پر محسوس کرلیں گے۔ اگرچہ آپ نے اپنی زندگی میں کبھی ایک وقت کا فاقہ بھی نہ کیا ہو اور آپ کو فاقہ کشی کا کوئی تجربہ نہ ہو۔ اسی طرح مذکورہ انسان کے بیان یا کیفیت کو جب ایک ادیب یا شاعر اپنے ادبی اور شعری پر جمال لفظوں یا اپنی تعبیروں اور ترکیبوں میں پیش کرتا ہے تو اس سے دل پر جو اثر پڑتا ہے دراصل یہ تخیل کی کارفرمائی ہوتی ہے، اس طرح کوئی واعظ یا مبلغ اپنے خطابیہ جوش وخروش سے جو اثر پیدا نہیں کرسکتا وہ اثر ادیب یا شاعر اپنے ایک شعر یا اپنے ایک پیراگراف میں بہ احسن پیدا کرلیتا ہے جو طبیعت پر بار نہیں بنتا بلکہ دلوں کی گہرائیوں تک اتر جاتا ہے۔

ادیبوں اور شاعروں نے قوموں کی زندگی میں امن،سکون ،راحت،محبت اور ہمدردی پیدا کرنے کے لیے بڑے اہم فریضے انجام دیئے ہیں۔ انہوں نے جہاں شیکسپیئر کی طرح انسانی فطرت کی الجھی ہوئی ڈوریوں کو سلجھایا ہے وہیں رومیؒ بن کر زندگی کے آداب بھی سکھائے ہیں۔انہوں نے جہاں ورڈسورتھ کی زبان میں نیچر کی ترجمانی کی ہے وہیں حافظ کی طرح سماجی ریاکاری کا پردہ بھی چاک کیا ہے۔ انہوں نے جہاں میرؔ،سوداؔ،میر دردؔ،غالب و مصحفی اور آتشؔ بن کر انسانی قدروں کی عظمت اور سچی محبت وعشق کے رمزے پیش کیے ہیں،وہیں شعراء اور ادبا نے سرسید تحریک ،لینن ،کارل مارکس اور ترقی پسندوں کے دائروں میں آ کر عالمی اور ہندوستانی انسانوں کو غلامی کی زنجیروں سے نجات بھی دلائی ہے۔

زندگی کو سائنس داں خارجی حقیقتوں تک محدود رکھتا ہے یا عالمی زندگی کی تباہی کے لئے ایٹم بم اور حیات کشی کا اسلحہ تیار کرتا ہے، ایک سیاست داں اسے اپنے سیاسی مفاد کے دائرے میں قید کر لیتا ہے۔ مورخ اُسے گزرے ہوئے واقعات کا نام دیتا ہے لیکن ادیب یا شاعر زندگی کو خانوں میں نہیں بانٹتا اس کے ٹکڑے نہیں کرتا ہے اس لیے زندگی کسی حصے کا نام نہیں اسے کہیں سے کاٹا نہیں جاسکتا۔ زندگی زمانوں سے اپنے سفر پر رواں ہے اور زمانوں تک گامزن رہے گی۔ اس زندگی کے فطرتی بہاؤ میں ادیب یا شاعر کسی غیر فطری رخنے یا رکاوٹ کو پسند نہیں کرتا بلکہ یہ جتنی حسین ہے اس کو حسین ترین، پرامن اور پر جمال دیکھنا چاہتا ہے لیکن یہ جبھی ممکن ہے جب اس میں امن، سلامتی ہو، عدم تحفظ کا اندیشہ نہ ہو، ادب میں زندگی سراپا امن ہوتی ہے۔ اس میں ہر مذہب، دھرم، فرقے، ہر نسل اور قوم کا فرد برابر کی نشستوں میں محبت کے ساتھ جگہ پاتا ہے جہاں اس کے ٹکڑے نہیں کیے جاسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ادیب یا شاعر عالمی زندگی کے کسی حصے میں اگر تکلیف دیکھتا ہے تو اُس کا دِل زخمی ہوجاتا ہے۔ وہ عالم انسانیت اور زندگی کا درد اپنا درد خیال کرتا ہے اس کو محسوسات میں لاکر جذبہ کی بھٹی میں جذب کر کے شیریں سبک رو، یا طنز و مزاح کے مزاجی لفظوں، تعبیروں، ترکیبوں، تشبیہوں، استعاروں اور علامتوں کے رنگوں میں رنگ دیتا ہے جس کے سبب کسی ایک زندگی کا درد نہ رہ کر آپ بیتی جگ بیتی کے روپ میں بدل جاتی ہے۔ اس کے تخلیقی رویے اور عمل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ زندگی درد کے پھوڑوں سے نجات پائے، انسان نما افراد کے خیالوں میں جو نفرتوں کے آبلے اُبھر آئے ہیں ان کا تزکیہ ہوجائے۔ زندگی سلامتی اور امن کی راہیں دیکھے، ٹھیک ہی کہا تھا غالبؔ نے ؎

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پرخار دیکھ کر

ادب کے ذریعے انسانی رشتوں کی سلامتی اور جوڑ کے حوالے سے جارج ایلیٹ نے صحیح کہا تھا:

''وہ زندگی سے قریب تر ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا وسیلہ ہے جس کی مدد سے ہم کو انسانوں کے تجربے اپنی تمام تر تفصیل کے ساتھ نظر آتے ہیں اور ہم دوسرے انسانوں سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں''۔

(بحوالہ: اطہر پرویز: ادب کا مطالعہ،ص۔۴۸۔۴۹)

جو احساس ،درد، ہمدردی،محبت ،سلامتی اور امن عالمی ذہن و دِل میں ایک ادیب یا شاعر پیدا کرسکتا ہے وہ کسی دوسرے شخص سے نہیں ہو پاتا۔ آیئے ہم ذرا اُردو ادب کے دامن میں محبت، ہمدردی ،سلامتی اور امن کے احساسات کا جائزہ لے لیتے ہیں۔

فیض احمد فیض برصغیر ہندو پاک کی مٹی سے نمو پذیر ہوئے ۔فیض احمد فیضؔ کا ان انسانیت نواز روایات سے تعلق رہا ہے جو ہزاروں برس سے دونوں ملکوں (ہندو پاک) کی سرزمیں کا خاصہ کے طور پر شناخت کی جاتی ہیں۔ وہ اسی سلسلے کی اہم کڑی ہیں جسے امیر خسرو، بھگت کبیر،خواجہ معین الدین چشتی، بابا نانک، بابا فرید، ابوالفضل فیضی، بلھے شاہ، وارث شاہ،شاہ عبداللطیف بھٹائی کے علاوہ بابا رحمان اور دیگر بہت سے بزرگوں نے فیض پہنچایا ہے ۔فیض نے نہ صرف گنگا جمنی تہذیب کی اقدار کا احترام کیا بلکہ برصغیر ہندو پاک کے کینوس سے نکل کر دنیا بھر کے اسیروں کے رنج والم کو اپنے اندر سمیٹ لیا تھا۔میجر اسحاق کے بقول:

''کینیا کے باشندوں پر جمہوریت اور آزادی کے دعوے داروں کے ہاتھوں بے پناہ ظلم وستم اور ان کے اپنے وطن کے مصائب فیض صاحب کے لیے سوہانِ روح بنے ہوئے تھے۔وہ افریقی عورتوں کے کارہائے نمایاں سے خاص طور پر متاثر تھے ۔کئی دفعہ مجھے محسوس ہوتا تھا کہ وہ

پاکستانی نہیں رہے افریقی بن گئے ہیں۔ان کی نظم ’’آجاؤ ایفریقا‘‘اس کی مظہر ہے‘‘۔ (بحوالہ: کلام فیض۔ص۔۱۹۴)

اسحاق کے اس بیان سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک ادیب یا شاعر کسی ملک، یا خطے میں قید ہوکے نہیں رہ سکتا۔ بلکہ دنیا بھر کی زندگی کا درد اس کا اپنا درد ہو جاتا ہے۔’’روز برگ‘‘(Rose Nberg) جوڑے کی بے مثال قربانی سے متاثر ہوکر نظم لکھتے ہیں ’’ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے‘‘۔اس نظم کا مطالعہ کریں تو ذہنی دریچے کھل جاتے ہیں کہ شاعر کس طرح دنیا بھر کی زندگی کے لیے امن وسلامتی سمیٹنے میں کوشاں نظر آتا ہے۔ایتھل اور جولیس روز برگ کے خطوط سے متاثر ہوکر لکھی جانے والی یہ نظم جس میں زندگی پر کیے جانے والے ظلم پر تشبیہوں، استعاروں اور علائم کے پردوں کے ذریعے طنزیہ احتجاج کیا ہے۔

تیرے ہونٹوں کے پھولوں کی چاہت میں ہم
دار کی خشک ٹہنی پہ وارے گئے
تیرے ہاتھوں کی شمعوں کی حسرت میں ہم
نیم تاریک راہوں میں مارے گئے

سُولیوں پر ہمارے لبوں سے پرے
تیرے ہونٹوں کی لالی لپکتی رہی
تیری زُلفوں کی مستی برستی رہی
تیرے ہاتھوں کی چاندنی دمکتی رہی

قتل گاہوں سے چُن کر ہمارے علَم
اور نکلیں گے عشّاق کے قافلے

جن کی راہِ طلب سے ہمارے قدم
مختصر کر چلے درد کے فاصلے

کر چلے جن کی خاطر جہاں گیر ہم
جاں گنوا کر تری دلبری کا بھرم
ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے

(زنداں نامہ، ص۔۷۸ تا ۸۰)

فیض ایک مقام پر جہاں بھر کی غیر فطری حدود کو توڑ کر سارے جہاں کے انسانوں کو ایک خاندان خیال کرتے ہوئے خود مصائب جھیل کر زندگی، آزادی، انسانی قدروں کی حفاظت کو یہ نوید جاں فزا سنا جاتے ہیں۔

جو ہم پہ گزری سوگزری شبِ ہجراں
ہمارے اشک تری عاقبت سنوار چلے!

اگر سیاسی، مذہبی اور ملکی آئین کے کینوس کو دیکھا جائے تو یہ محدود ہے۔ سیاست داں صرف خود کے عیش و آرام کے لیے اقدار کی تخریب کاری میں الجھا ہوا ہے، دنیا میں کئی مذاہب ہیں اور قریب قریب ہر مذہب اور مسلک کا دائرہ اپنے ماننے والوں تک محدود ہے۔ اگر بعض مذاہب میں اپنے مذہب کی حدود سے نکل کر دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے لیے امن کی کچھ روشنی ہے بھی تو دوسرے مذہب یا دھرم والا اسے تعصب کی بنا پر تسلیم کرنے کو تیار نہیں، اگر ملکی آئین وقوانین کو دیکھا جائے تو زیادہ تر ہر ملک اپنے تعمیر و ترقی اور دفاع کی خاطر آئین بناتا ہے جو اگر ایک ملک کے نزدیک امن کا آئین ہے تو وہی دوسرے ملک کے لیے بربادی کا سامان۔ اگر دُنیا بھر کے ممالک کی سلامتی، رابطے اور دفاع کے لیے اقوامِ متحدہ کا آئین تیار کیا گیا تو اس کا حال یہ ہے کہ بعض مقامات پر طاقتور ملک کی

لونڈی بن چکا ہے۔ہاں !اگر کہیں سرحدیں نہیں ہیں جہاں زندگی،امن اور دفاع کے زمین وآسمان کو خانوں میں نہیں بانٹا جاتا تو وہ بس ادب ہے،خواہ وہ ادب ایشیا کا ہو یا افریقہ کا،یورپ کا ہو یا مشرق کا،جہاں انسانی زندگی کیا بل کہ حیوانی زندگی کا آسمان بھی ایک ہے اور زمین بھی ایک ،جہاں صرف حظ ،راحت،محبت ،سکون،سلامتی ،امن اور ہمدردی کی قدروں کو سلام کیا جاتا ہے۔میں صرف جدید ادب کی بات نہیں کر رہا ہوں بلکہ کلاسیکی ادب سے لے کر جدید اور جدید تر ادب تک صرف اور صرف انسانی امن وسلامتی کی خوشبوئیں ہی محسوس ہوں گی ،خواہ وہ شعروسخن کی زمین ہو یا داستانوی ادب کا کینوس ،مکتوب نگاری کا دامن ہو یا مثنوی اور مرثیہ اور ڈراما،ناول ،افسانہ کا بیانیہ پلاٹ ہو،یا غزل کا ننھا مُنا شعر ہو۔دیکھیے کلاسیکی اور جدید شعروسخن نے زندگی کی سلامتی ،امن اور دردکو کس طرح پیش کیا ہے۔

اے ساکنانِ کنجِ قفس ! صبح کو صبا
سُنتے ہیں جائے گی سُوئے گلزار، کچھ کہو!
(سوداؔ)

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسو کا سر پُر غرور تھا
(میرؔ)

تیغ منصف ہو جہاں، دار و رسن ہوں شاہد
بے گنہ کون ہے،اس شہرمیں قاتل کے سوا

جانے کس رنگ سے آئی ہے گلستاں میں بہار
کوئی نغمہ ہی نہیں شورِ سلاسل کے سوا
(علی سردار جعفری)

آسمانوں سے برستا ہے اندھیرا کیسا
اپنی پلکوں پہ لئے جشن چراغاں چلئے
سربکف چلنے کی عادت میں نہ فرق آجائے
کوچہ ٔ دارمیں سرمست وغزل خواں چلئے
(علی سردار جعفری)

میری نگاہ میں ہے ارضِ ماسکو مجروحؔ
وہ سرزمیں کہ ستارے جسے سلام کریں
(مجروح سلطان پوری)

آیاہے ہمارے ملک میں بھی اک دو رزلیخائی یعنی
اب وہ غم زنداں دیتے ہیں جن کوغم زنداں ہوناتھا
(مجروح سلطان پوری)

عروج پرہے مرادرد ان دنوں ناصرؔ
مری غزل میں دھڑکتی ہے وقت کی آواز
(ناصر کاظمیؔ)

مقتل سے آنے والی ہوا کو بھی کب ملا
ایسا کوئی دریچہ کہ جو بے صلیب تھا
(پروین شاکر)

ہرخرابہ یہ صدا دیتا ہے
میں بھی آباد مکاں تھا پہلے (ناصر کاظمیؔ)

کشتیاں ٹوٹ گئی ہیں ساری
اب لیے پھرتا ہے دریا ہمکو
(احمد مشتاق)

بادل ہٹا کے چاند نے دیکھا غضب ہوا
روشن تھی آگ چاروں طرف روشنی نہ تھی
(باقر مہدی)

گھر بھی جلا، لہو بھی بہا، پھر یہ حکم ہے
فریاد مت کرو یہ کوئی حادثہ ہوا
(وحید اختر)

ابھی میں گھر کے اندر سو رہا تھا
ابھی میں گھر سے بے گھر ہوگیا ہوں
(محمد علوی)

گھر سے چلو تو چاروں طرف دیکھتے چلو
کیا جانے کون پیٹھ میں خنجر اتار دے
(اسلم امرآبادی)

سپاہِ مکر و ریا ساحلوں پہ خیمہ زن
غریقِ دجلۂ خون ہیں شجاعتیں ساری
(اسعد بدایونی)

راتیں علیل صبح کا چہرہ بجھا ہوا
اس دور کا بدن ہے لہو تھوکتا ہوا
(علی الدین نوید)

کیا دیکھتے ہو راہ میں رک کر یہاں وہاں
ہے خاک وخوں کاایک سامنظر یہاں وہاں
(محسن زیدی)

یہی کٹے ہوئے بازوعلم کیے جائیں
یہی پھٹاہوا سینہ سپر بنایاجائے
(عرفان صدیقی)

میں آدمی ہوں مجھے آدمی نے گھاؤدیئے
کسی چٹان میں کیسے شگاف ہوتاہے
(شاہدکلیم)

وہ قصہ خواب ہوں حاصل نہیں کوئی میرا
ایسا مقتول کہ قاتل نہیں کوئی میرا
(عین تابش)

اب تو اس شہرمیں جینے کامزہ ہی نہ رہا
اب توقاتل بھی کرائے کے ہیں سازش ہی نہیں
کون نکلے گھرسے باہرکون دیکھے کیاہوا
میراہمسایہ ہے خودمیری طرح سہاہوا
(رئیس منظر)

دھوپ اتنی تھی کہ جلتے ہیں گلابوں کے بدن
قہراتنا ہے کہ ہونٹوں پہ لگے ہیں کانٹے
(نیازحسین)

سنگ باری کے لیے موسم نہیں مخصوص اب
سنگ باری ڈھونڈ لیتی ہے ہمیشہ سرنیا
(فاروق نازکیؔ)

دیکھنا اک گزرے گا سروں سے سیلِ خوں
توڑ کر ہر خموشی ہم زباں کھل جائیں گے
(حامدیؔ کاشمیری)

کھلتی ہے آنکھ جلتے مکانوں کے درمیاں
لگتی ہے آنکھ پڑھ کے فسانے ثمود کے
(رفیق رازؔ)

مجھے کعبہ ودیر سے لے چلو
بڑا شوران کارخانوں میں ہے
(عرش صہبائی)

مجھ کولوٹا دووہ تلوارسپروہ دستار
میں نے اجداد کے کب تم سے خزانے مانگے
(نذیر آزاد)

شام ڈھلے تو اپنا آنگن
کرگل کا بارڈر لگتا ہے
(پرویز ملک)

غرقاب کررہے گا یہ بستی کو دیکھنا
جو صورت سیماب سمندر ہوا نہیں ہے
(سلیم ساغر)

ادب کی بالاتری اس امر سے بھی سمجھ میں آتی ہے کہ تاریخی زبان کا کھردراپن

جب طبیعتوں کو نہ بھایا تو ادب نے تاریخی ناول کی ایجاد کرڈالی۔اقوام عالم کی دیگرزبانوں کے علاوہ اُردوادب میں۔عبدالحلیم شرر،نسیم حجازی ،قرۃ العین حیدر،عصمت چغتائی اور عبداللہ حسین وغیرہ نے امن عالم کی خواہش اورمرعونیت کے ظلم وستم کے بیان کی خاطر تاریخی ناولوں کا سہارالیا،اس طرح اس طویل بحث کے ہم اس نتیجے پرآن پہنچتے ہیں کہ عالمی امن کے لیے ادب کی کتنی ضرورت اوراہمیت ہے ۔جہاں امن کا قیام سیاست،تبلیغ ،مذہب ودھرم ،تاریخ،سائنس اورتلخ آئینی بندشیں نہیں کرسکتی وہیں امن وسلامتی ،دردومحبت اور ہمدردی کا احساس انسانی زندگی میں ادب ہی کے ذریعہ سرانجام پاسکتا ہے۔

❖❖❖❖

ماخذ

۱۔ کلام فیض

۲۔ انتخاب کلام میرؔ۔ازمولوی عبدالحق

۳۔ معاصراُردوغزل۔ازپروفیسرقمررئیس

۴۔ شیرازہ (اُردو) کلچرل اکیڈمی آف آرٹ ،کلچراینڈلینگویجز ۔جلد ۴۷۔شمارہ۔۹۔۱۰

۵۔ ادب کا مطالعہ۔ازاطہرپرویز

۶۔ ارسطو سے ایلیٹ تک۔ڈاکٹرجمیل جالبی

مشکل الفاظ

تعفن:برائی سے پیدا ہونے والی بد بو سے۔

تزکیہ:صاف کرنا۔

ثمود:قوم ثمود

عالمی امن میں زبان ادب کا کردار

ڈاکٹر امتیاز احمد بھلیسی
اسسٹنٹ پروفیسر اُردو
گورنمنٹ ڈگری کالج ڈوڈہ

نیرنگی حیات سے بھرپور ہمارا جانفزاء ماحول قدرت کا وہ انمول عطیہ ہے جس کی نظیر نہیں ملتی خالق کائینات نے ہوا، پانی، مٹی اور سورج حنائی کرنوں کے ساتھ ساتھ زمیں کی گود میں پائے جانے والے خزانوں کا تذکرہ قرآن پاک میں بار بار فرمایا۔ کرہ ارض پر رحمتِ پروردگاریوں بر شگال ہوتی رہتی ہے کہ انسان شکر پروردگار ادا نہیں کرسکتا۔ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر ہوں یا موج ہوا، شام کی گدرائی ہوئی مٹی ہو یا دوشِ ہوا پر رُڑتے ہوئے ابر پارے۔ درختوں کے خوبصورت آنچل ہوں یا جانداروں کے ریوڑ ہر ہر شے انسان کے لئے یوں مسخر فرمادی گئی کہ بنی نوعِ انسان گویا کائینات کا دُولھا ہے اور گردشیں اس کی باراتی ہیں۔ بقول احمد ندیم قاسمی ؎

آدمی شیش جہات کا دولہا
وقت کی گردشیں باراتی ہیں

اس وقت دنیا میں جانداروں کے ملین اقسام دریافت ہو چکے ہیں، ننھے اور حقیر مائیکروب سے لے کر پربت جیسے ڈائنوسارز تک اس زمیں میں موجود ہیں، لیکن اس کے باوجود انسان کی بالا دستی اس کائینات کی ہر شے پر مسلم ہے۔ ٹینڈرا

کے یخ بستہ علاقوں سے خط استوا کے چلچلاتے خطوں تک انسان کی دہشت اور رعب سے گویا رن کانپ رہا ہے۔ زمیں کی خلافت اور اقلیم ارضی کی بادشاہت کا سہرا سر پہ رکھنے کے باوجود یہ کائینات کا دولھا اتنی سفا کی اور بے دردی سے اپنی دُنیا کو تباہ کرنے پہ تُلا ہوا ہے جسے دیکھ کر استعجاب و تعاسف کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا، عقل، اردے اور احساس کے جوہر عطا فرمائے۔ مگر انسان ان سے کام نہیں لے رہا ہے۔

آج خشکی تری اور فضاواں میں ہماری اِجارہ داری ہے۔ تمام عناصر قدرت اور زمین کے خزانے ہمارے بس میں ہیں۔ پھر بھی نہ جانے کیوں ہم ان کے منصفانہ استعمال سے نہ صرف گریز کرتے ہیں بلکہ بے دریغ استعمال سے دوسروں کا حق دبا لیتے ہیں۔ کرّہ ارض پر جہاں ایک طرف وسائلِ قدرت کے خزانے ہیں تو دوسری طرف محروم انسانوں کے ساتھ ساتھ انگنت ساکنانِ بزمِ ہستی ہیں جنہیں چند اقوام محرومیوں کے گھڑوں میں دھکیل رہی ہیں اور خودخوشی کے ماحول میں گلہائے نشاط چن رہی ہیں اور انسانیت ظلمت کی گھنیری زلفوں کی چھاوں میں چھپ کر حیات وموت کے پُر ہول مناظر برہینہ آنکھوں سے دیکھ رہی ہے اور کہہ رہی ہے۔

یہ بستی ہے سیتم پروردگاں کی
یہاں کوئی کسی سے کم نہیں ہے

ان حالات کو پیش نظر رکھ کر ہر ذی روح کانپ اٹھتا ہے اور عالم انسانیت سے درخواست کرتا ہے کہ اگر اس دور پرُفریب میں امن وامان کے ماحول کو اور اس کے آبگینوں کو سنبھال کر نہ رکھا گیا تو ایک نہ ایک دن تشدد وانتشار کی قرچیاں پائے حیات کو لہولہان کر دیں گی۔ چونکہ دور حاضر کا انسان بدامنی کی ایسی وحشت ناک پکڈنڈیوں پر نکل چکا ہے جن کے سمت ورفتار سے بھی عیاں ہو رہا ہے کہ:

اب نہیں خطرے کی بات کوئی
سب ہی کو سبھی سے خطرہ ہے

دانایانِ مشرق ومغرب اس بات پر متفق ہیں کہ دنیا کا مشکل ترین عمل امن قائم کرنا ہے ارسطو کا قول ہے: ''محض جنگ جیتنا کافی نہیں اس سے زیادہ اہم امن وامان قائم کرنا ہے''۔

دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالئے تو یہ جنگوں کے واقعات سے بھری پڑی ہے ان جنگوں میں اتنا خون بہایا گیا ہے کہ اگر اسے ایک جگہ جمع کر دیا جاتا تو عالمی تاریخ اس خون سے آسانی کے ساتھ لکھی جاسکتی تھی لیکن اس کے باوجود جنگو کی خون ریز تاریخ پڑھنے والا جس بات کو نظر انداز کر دیتا ہے وہ یہ کہ جنگیں کسی ایک فرد سے دوسرے کی لڑائی کی کہانی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ انسانوں کے ایک گروہ سے دوسرے گروہ کے ٹکراو کا نتیجہ ہوتی ہیں اور ان جنگوں کے ردِعمل کے طور پر جو احساسات جاگتے ہیں وہ ادب کا بڑا قیمتی سرمائی بن جاتے ہیں چونکہ اس دور کے شاعر اور ادیب نے دُنیا کو محبت اور امن کا پیغام دیا ہوتا ہے۔ انور جمال نے اپنے ایک مضمون میں بجا طور پر لکھا ہے کہ

''وہ معاشرے کے عناصر میں جو باہمی کشمکش کی صورتیں ہیں ان کا راستہ تصادم کی طرف جاتا ہے ایسے میں ادب اور ادیب کی ذمہ داریاں مزید بڑھ جاتی ہیں جب معاشرہ انحطاط کا شکار ہوجائے۔ جب نسل آدم انتشار و ہیجان میں گھر جائے اور سکون و امن کی تلاش میں سرگرداں ہو۔ اس صورت حال میں تہذیبی قدریں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتی ہیں۔ یہی وہ موڑ ہے جہاں یہ تخلیق سسہ پلائی دیوار کی طرح کھڑا ہو کر تہذیب کو ناتوانی سے بچانے کا فریضہ ادا کرتی ہے۔ اور ادیب بچشم نم اور بہ قلب حزیں معاشرے کی تنِ شکستہ میں زندگی کی روح پھونک کر سینچائی کرتا ہے۔ قوم

کے افراد کی سوچ میں مثبت تبدیلیاں لانے اور اخلاقی تربیت کرنے میں ادیب کا کردار سب سے اہم ہے۔ معاشرے میں قیام امن کی خواہش در اصل نظام عدل کی خواہش ہے۔ ادب کے اسی عالمگیر اثر کا نتیجہ ہے کہ افلاطون جیساUtopia کا تصور دینے والا مفکر بھی یہ کہنے پہ مجبور ہو گیا کہ فنِ لطیف کے لئے ضروری ہے کہ وہ فلسفے کے ماتحت چلے اور معاشرے کے ارتقاء کے لئے اخلاقی ذریعہ بنے۔اس کا فنِ لطیف اعلیٰ ترین مقصد یہ ہونا چاہئے کہ وہ نیکی کے حسن اور بدی کی بدصورتی کو اجاگر کرے۔''

افلاطون وہ پہلا شخص ہے جس نے ادب و شاعری کے لئے معیارات مقرر کئے اور اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ ادب نیکی حسن اور بدی کو ان کے حقیقی آئینوں میں پیش کرنے کا واحد کیمیا ہے۔ جب ادب اور ادیب کسی بات کی وضاحت کرتا ہے تو ایک نئے منظر نامے کے لئے در وا ہو جاتے ہیں۔مثال کے طور پر اس وقت تک ہمارے ملکِ عزیز میں آپسی منافرت فرقہ واریت اور قتل و گارت گری پر مذہبی، سیاسی، اور سماجی سطح پر بہت کہا اور لکھا جا چکا ہے یہ سب مواد ایک طرف لیکن جب کوئی ادیب اس پر اپنی رائے رکھتا ہے تو اس کا منظر نامہ ہی بدل جاتا ہے مثال کے طور پر سعادت حسن منٹو کے چند کلمات ملاحظہ فرمائے

''یہ مت کہو کہ ایک ہندو اور ایک لاکھ مسلمان مرے ہیں۔ یہ کہو کہ دو لاکھ انسان مرے ہیں اور یہ اتنی بڑی ٹریجڈی نہیں کہ دو لاکھ انسان مرے ہیں۔ ٹریجڈی اصل میں یہ ہے کہ مرنے اور مارنے والے کسی کھاتے میں نہیں گئے۔ ایک لاکھ ہندو مار کر مسلمانوں نے یہ سمجھا ہوگا کہ ہندو مذہب مر گیا ہے۔لیکن وہ زندہ ہے زندہ رہے گا اسی طرح ایک لاکھ مسلمانوں کو قتل کر کے ہندوؤں نے بغلیں بجائی ہونگی کہ اسلام ختم ہو گیا مگر حقیقت آپ کے سامنے ہے کہ اسلام پر ہلکی سی خراش بھی نہیں آئی وہ لوگ بیوقوف ہیں جو سمجھتے ہیں کہ بندوق سے مذہب شکار

کئے جا سکتے ہیں مذہب، دین، ایمان، دھرم، یقین عقیدت یہ جو کچھ بھی ہے ہمارے جسم میں نہیں روح میں ہوتا ہے چھرے چاقو اور گولی سے یہ کیسے فنا ہو سکتا ہے؟''

اسی طریقے سے اگر ہم تاریخ کے اُس سب سے بڑے جھوٹ کو لے لیں جس میں یہ کہا گیا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلائے ہے تو انگنت افسانے وجود میں آتے ہیں لیکن جب منشی پریم چند جیسے ہندی اردو کے ادیب اس فسانے پر اپنے افسانے کی بنیاد ڈالتا ہے تو کچھ یوں منظر کھنچتا ہے۔

''یہ بالکل غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا تلوار کی طاقت سے کوئی مذہب نہیں پھیلتا۔ بھارت میں اسلام پھیلنے کی وجہ اونچی جاتیوں کے ہندوں کا نیچی جاتی کے ہندوں پر مظالم تھے۔ اسلام کے آتے ہی تمام نا برابریاں ڈھل جاتی ہیں۔ مسجد میں محمود وایاز ایک صف میں کھڑے ہو کر کاندھے سے کاندھا ملا کر ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور دیکھنے والوں کو اسلام ایک فاتح دشمن کے بجائے ایک فراخ دل مذہب دکھا اور گاوًں کے گاوًں شہر کے شہر سلاطین کے ہمراہ مشرف بہ اسلام ہو گئے اور یہ ایک ازلی حقیقت بن گئی کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں اپنے خصائل کے ظہور کی طاقت پر اس لئے پھیلا کہ اس کے یہاں سبھی انسانوں کے حقوق برابر ہیں''۔

اس ضمن میں جب کرشن چندر جیسا صاحب فراست وصاحب مطالعہ ادیب قلم اٹھاتا ہے تو چند سطور میں صدیوں کی دستان رقم کر کے حقیقت کو آشکار کر دیتا ہے اور وحشت وتوہمات کے پردوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاکستر کر دیتا ہے۔ لکھتا ہے کہ یہ طوفان (یعنی ظہورِ اسلام کا طوفان) بہت دور سے آج سے ایک سو سال پیچھے دور سے آیا تھا۔ انسانی تاریخ کے اس طوفان نے ہر ہندوستانی گھر کی چولیں ہلا دیں اور کہیں نہ کہیں اس کی روح میں اس کے جسم میں اس کے ذہین میں اس کے آداب زندگی میں کوئی نہ کوئی انقلاب ضرور پیدا کر دیا۔ یہ بڑا بھاری طوفان تھا جو صدیوں

کے بعد ہی انسانی زندگی میں آتا ہے گو اسے شروع ہوئے ایک سو سال سے زائد عرصہ نہ ہوا تھا۔ کئی لوگ کہتے ہیں کہ یہ طوفان نہ تھا بلکہ دو طوفانوں کی ٹکر تھی۔ ایک طوفان جو ایک سو سال پہلے شروع ہوا ایک طوفان جو اس سے کہیں پہلے منوسمرتی کی جارحانہ برہمنیت سے شروع ہوا سینکڑوں سال پہلے وہ برہمنیت جو بُدھ کے عروج کا باعث بنی جس نے اسلام کو فروغ دیا جس نے اچھوت پیدا کئے آج پاکستان کو جنم دے رہی ہے۔ بلاشبہ یہ دو طوفانوں کی ٹکر تھی قومیت کا سیلاب اور برہمنیت کا رد عمل قومیت کا سیلاب آزادی لایا۔ براہمنیت کے رد عمل نے پاکستان کی تشکیل کی اور اب یہ سب ہو چکنے کے بعد یہ دونوں طوفان آپس میں ٹکرا رہے ہیں بجلی کی کڑک رعد گونج، گرج، انسانی چیخیں خون کی لہریں بجلی جو گھروں کو جلا گئی عصمتوں کو جلا گئی کھیتوں کو جلا گئی انسان کو جلا گئی اور اب کا یہ طوفان اُدھر سے آیا ہے جدھر سے آریا لوگ آج سے ہزاروں سال پہلے ہند میں داخل ہوئے تھے''۔

اس میں شک نہیں کہ زندگی اور اس سے منسلک جزیات کے بحر بیکراں میں غوط زن ہو کر حقائق کے موتیوں سے روشناس کرانا ایک ادیب کی زندگی کا سب سے بڑا وضیفہ ہوتا ہے یہی وہ وضیفہ حیات ہے جس کی روشنی میں قومیں امن و آشتی کی روشن شاہرائیں دریافت کرتی ہیں اور ارتقاء کی بلندیوں تک پہنچ جاتی ہیں۔

ڈی ایچ لارنس نے اپنے بارے میں بجا طور کہا تھا کہ ''میں زندہ انسان ہوں اور جب تک میرے بس میں میرا ارادہ زندہ انسان رہنے کا ہے اسلئے کہ میں ایک ناولسٹ ہوں میں اپنے آپ کو کسی سنت کسی سائنٹسٹ کسی فلسفی کسی شاعر سے برتر سمجھتا ہوں جو زندہ انسان کے مختلف حصوں کے بڑے ماہر ہیں مگر پورے انسان تک نہیں پہنچتے''

اس میں شک نہیں کہ ادب کی ہر صنعت کا مکمل وضیفہ پورے انسان تک پہنچنا ہے یہ الگ بات کہ کون مرید اپنے مرشد کے وضیفے کو کس شدتِ قلب اور انہماک

سے آدا کرتا ہےلیکن بہر حال ہمیں انور جمال کی اس بات کوتسلیم کرنا پڑے گا۔

''نیلگوں آسمان کے نیچے دُنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں ادب یا ادیب نےظلم کی حمایت کی ہوکوکوئی لمحہ ایساں نہیں کہ جب اہل قلم نے جبراور بدامنی کا ساتھ دیا ہو۔پیغمبراورادیب کے کردار میں پیدائشی طور ایک پہلوکم ازکم مشترک ہےاوروہ یہ کہ وہ دونوں ظلم کی بدصورتی کے خلاف ایک خوبصورت نظامِ امن کے داعی اور ایک تہذیبی معاشرے کی تشکیل کےتمنائی ہوتے ہیں۔کرہِ ارض کے انسان کدے میں جہاں بھی انسانیت،ظلم اور جبر کی آگ میں جھلسے گی شاعروادیب بول پڑے گا اسی کی روح تڑپ اٹھے گی۔اس کاقلم حرکت میں آئے گا۔

معلوم نہیں درد سے نسبت میری کیا ہے
چوٹ آتی ہے سینے پہ تو میں بول پڑا ہوں

ادیب کی اسی فطری دردمندی اور امن پسندی کی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے شعراءواُدباءکووہ دیدہ بیناءاقوام'' کہا ہے۔

قوم گویا جسم ہے افراد ہیں اجزاء قوم
منزل صنعت کے راہ پیما ہیں دست و پائے قوم
محفل نظمِ حکومت چہرہ زیبا قوم
شاعر رنگین نوا ہے دیدہ بینا قوم
مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

دنیاءِزبان وادب کےتمام محققین ونا قدین اس بات پرمتفق ہیں کہ ادیب معاشرے کےایسےفکری رہبر ہوتے ہیں جوسماج کے باقی افراد کے مقابلے میں زیادہ فلسفیانہ صداقتوں کے ساتھ ایک اعلیٰ شعور ایک ارفع تخیل اور زیادہ سچی اور شادمان طبیعتوں کے مالک ہوتے ہیں''ہرلحظہ نیا طورنئی برق تجلی'' اُن کے پیش نظر

ہوتی ہے۔ سماج کے لوگوں کے لئے اعلیٰ پائے کی حکمت مسرت اور نیکی کے موجد ہوتے ہیں۔ انبیا اکرام کو چھوڑ کر باقی پوری انسانی تاریخ کا کوئی سیاستدان، بادشاہ جرنیل بدامنی اور آدم کی ارزانی کا اتنا بر ملا مخالف نہیں ہوسکتا جتنا کہ شاعر اور اہل قلم ہوتا ہے۔ دنیا کی معلوم تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی کوئی معاشرہ ظلم و استبداد کے غلبے میں آیا تو انبیاء کی مقدس آواز کی روشنی نے غرورِ ظُلمت توڑا یا اہل قلم کی پر دانش اور گداز صدائے دلنیش کام آئی۔ اس سارے احوال نامے کو جاننے کے بعد اس بات کی توثیق ہو جاتی ہے کہ خواہشِ تخلیق انسان کی فطرت ہے۔ اسی جبلّی خواہش سے آرٹ پیدا ہوتا ہے۔ آرٹ اور دوسرے علوم میں یہی فرق ہے کہ اس میں کوئی مادی نفع مقصد نہیں ہوتا۔ یہ بے غرض مسرت ہے ادب اسی آرٹ کی ایک شاخ ہے جسے فن لطیف بھی کہہ سکتے ہیں۔ ہر دور کا ادب اس بات کی زندہ جاوید باز گشت ہے کہ جس معاشرے میں فرد کی ہستی کو ترقی اور ارتقاء کا مناسب و خوشگوار حوصلہ افزاء بنیاد اُس دردمند حکیم کے قلم کی روشنائی فراہم کرتی ہے جو اُن کی فکر کو تخلیقی سانچوں میں ڈھالیتا ہے۔ ادب کے ہر دور میں دو پہلو رہے ہیں ایک تفہیمی دوسرا تاثیری۔ تفہیم کا تعلق خیال سے ہوتا ہے اور خیال کا ترجمہ بڑی حد تک ممکن ہے۔ لیکن اس کے برعکس تاثیر کا تعلق کسی زبان کی پوری تہذیب، تاریخ اظہار کے سانچوں اور اسالیب سے ہے۔ چناچہ اس کا ترجمہ ممکن نہیں ہو پاتا اس نقطے سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ادب کسی زبان کی پوری تہذیب اور مزاج کا اظہار ہوتا ہے اس لئے ادب کے مطالعے کے ذریعے ہم کسی تہذیب کی روح تک پہنچ سکتے ہیں۔ انسانی معاشرے کو اپنی بنائی ہوئی تمام چیزوں میں سب سے زیادہ عزیز اپنی زبان اور ادبیات ہوا کرتی ہیں۔ عربوں کا اپنے سوا ساری دُنیا کو عجم کہنا اور انگریزوں کا اپنے انتہائی عروج و اقتدار کے زمانے میں شیکسپیئر کے ڈراموں کو اپنے تمام مقبوضات پر ترجیح دینا اسی محبت اور فخر کا آئینہ دار ہے۔ زبان و ادب ہی انسان

کی شعوری اور نیم شعوری کوشش ہے جو اس کا مشترک سرمایہ اور میراث بھی ہے۔ یہ شخصیت و ذہنیت کے اظہار کا آلہ کار ہی نہیں ایک قوم کے تمنی مزاج و کیفیات کا آئینہ، اس کی تہذیبی سرگرمیوں کے ارتقاء اور انحطاط کا پیمانہ، اس کو صحیح یا غلط راہوں پر لے چلنے والی موثر ترین طاقت بھی ہے۔ یہی وہ محافظ خانہ ہے جس میں ماضی کی تمام روایات اور یادشتیں محفوظ ہوتی ہیں۔ جن سے قوم طاقت وتحریک پاتی اور اپنے عمل کا احتساب کرتی ہے اور یہی وہ مقّیاس ہے جو آئندہ راہ متعین کرنے میں اس کا سب سے بڑا معین ہوتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنے ایک مضمون ادب کیا ہے کے زیر عنوان بجا طور لکھا ہے کہ ''ادب ایسا جھوٹ ہے جو ہمیں سچائی کا نیا شعور عطا کرتا ہے ادب آزادی کی روح کا اظہار ہے ادب سچائی کی تلاش کا موثر ذریعہ ہے۔ آج کی جدید زندگی میں سائنس پر غیر معمولی زور ہے جس نے اشیاء کو ہمارے شعور میں داخل کر دیا ہے۔ لیکن فکر و احساس کو زندگی سے نکال باہر کر دیا ہے اسی وجہ سے اسوقت ساری دُنیا ایک ہولناک عدم توازن کا شکار ہے۔ زندگی ساری ترقیوں اور حیرت ناک ایجادات وانکشافات کے باوجود معنویت اور توازن سے عاری ہوگی ہے اسی لئے ساری دُنیا اس وقت ایک ایسے نظام خیال اور تصور حقیقت کی تلاش میں ہے۔ جسے انسان اپنے وجود کو بامعنیٰ بنا سکے۔ یہ کام ادب کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے۔ ادب ایک طرف ہمیں مسرت بہم پہنچا تا ہے احساس جمال سے لطف اندوز کراتا ہے دوسروں کے تجربات سے ہمارا تزکیہ کراتا ہے اور دوسری طرف لفظوں کی جمالیاتی ترتیب سے احساس جذبے اور خیال کو غیر ضروری عناصر سے پاک کر کے اس طور پر سامنے لاتا ہے کہ ہم بھی پڑھتے ہوئے غیر معمولی بلندیوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ ادب جن دنیاوں میں ہمیں لے جاتا ہے وہ حقیقی دُنیا سے زیادہ حقیقی ہوتی ہیں۔ پروست نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ہماری اصل زندگی ہماری نظروں سے اوجھل رہتی ہے ادب کا کام یہ ہے کہ وہ اسے ہمارے سامنے لے

آئے اور اس طرح ہمیں خود ہم سے واقف کرا دے۔ غالبؔ، سرسید، حالیؔ نے اپنی تحریروں میں ہمیں خود سے واقف کرا کر اس طور پر بدلہ ہے کہ گویا نیا جنم لیا ہے ادب یہی کام کرتا ہے اور یہی اس کا منصب ہے۔

یہ ادب کی عالمگیر آفادیت ہی تو ہے کہ امام جعفر صادق کی مذہبی ثقافت کی قوت کا راز اس میں تھا کہ اس کے چار ارکان میں سے دو علم و ادب تھے۔ دنیا کی تاریخ میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ کسی مذہب کے مکتب میں علم و ادب کو اتنی اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ جتنی جعفر صادق کی مذہبی ثقافت میں ہوئی۔

جعفر صادق کہا کرتے تھے کہ ایک مومن چونکہ متقین کے ایمان کا حامل ہوتا ہے۔ پس اُسے علم و ادب سے روشناس ہونا چاہئے۔ ایک عام شخص کا ایمان سطحی ہوتا ہے وہ اس بات سے آگاہ نہیں ہوسکتا ہے کہ کس پر ایمان لایا ہے اور کس کے لئے ایمان لایا ہے۔ جبکہ علم و ادب سے بہرہ مند مومنوں کا ایمان مرتے دم تک متزلزل نہیں ہوگا۔ ممکن ہے ادب علم نہ ہو لیکن علم کا وجود ادب کے بغیر محال ہے۔ جعفر صادق کے تدریسی مقام کے اوپر ایک عربی محاورا لکھا ہوا رہتا تھا جس کا ترجمہ ہے کہ ''یتیم وہ نہیں جس کا باپ فوت ہو چکا ہو یتیم وہ ہے جو علمِ ادب سے بے بہرہ ہے۔''

امام جعفر صادق کے اس قول سے یہ بات پائے ثبوت کو پہنچتی ہے کہ انسانی معاشرے کا وہ کردار جو قوم کے ہر فرد اور ریاست کے ہر شہری میں اخلاقی قدروں پر امن وسلامتی کے ساتھ بے خوف عمل کرنے کی خواہش پیدا کرے وہ حقیقتاً تہذیبی اور جمالیاتی کردار ہوتا ہے۔ یہ کردار ہر دور میں برسر پیکار ہوتا ہے اسے کبھی چھٹی نہیں ملتی علامہ اقبالؒ نے شاید اسی کردار کی مراقع کشی اپنے مشہور زمانہ شعر میں کچھ یوں کی ہے۔

مذہب عشق کے دستور نرالے دیکھے
اُس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

فیض احمد فیضؔ نے اپنے شعری مجموعہ ''دست صبا'' کے دیباچے میں بجا فرمایا

ہے کہ ''حیات انسانی کی اجتماعی جدو جہد میں حسب توفیق شرکت زندگی کا تقاضا ہی نہیں فن کا بھی تقاضا ہے۔ یہ تقاضا ہمیشہ قائم رہتا ہے اسلئے طالب فن کے مجاہد کو کوئی نروان نہیں اس کا فن ایک دائمہ کوشش ہے اور مستقل کاوش اس کوشش میں کامرانی یا ناکامی تو اپنی اپنی توفیق و استطاعت پر ہے لیکن کوشش میں مصروف رہنا بہر طور ممکن بھی ہے اور لازم بھی''

ادب کی عالمی تاریخ پر نظم ڈالئے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ تھیلز، افلاطون اور ارسطور سے لیکر آج تک کوئی دور ایسا نہیں گزرا کہ جب دُنیا سے شَر کے خاتمے اور امن و اماں کے قیام کے لئے ادب نے اپنا بھر پور کردار آدا نہ کیا ہو۔

دُنیا کی معلوم تاریخ کے ہر دور میں یہ بات کہی اور سُنی گی ہے کہ دُنیا اپنے تباہی کے دہانے پر ہے لیکن اسکے باوجود اس دنیا کو ہم سلامت بھی دیکھ رہے ہیں چونکہ اس دُنیا میں کچھ ایسی طاقتیں بھی کارفرما ہیں جو دنیا کو بچانے کی بھر پور کوشش میں مصروف ہیں۔ان طاقتوں میں ایک اہم موثر کن طاقت ادب کی رہی ہے۔اس سلسلے میں ادیب کے کام اور قربانیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ اسی جُرم عظیم کا صلہ تھا کہ سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا،فیڈری لورکو زیر خنجر آنا پڑا،کسی کو وادیِ طائف میں لہولہان ہونا پڑا،کسی کو تختہ دار پر چڑھ کر مصلوب ہونا پڑا،کبھی لزنین کو اسٹالن پر تنقید کرنے پر ملک بدر ہونا پڑا۔کبھی کمرون کو اشترا کی ادب پروان چڑھانے کی وجہ سے افریقہ چھوڑنا پڑا،کبھی پاش کو پنجاب میں گولی صرف اسلئے ماردی جاتی ہے کہ اُس کی شاعری شدت پسندوں کے خلاف تھی وہ ایک ایسی شاعری کی فضا تیار کرنے کی کوشش کررہا تھا جس میں ایک ننھی سی شاعرہ نہایت ہی معصوم اور طفلانہ لہجہ میں یہ کہہ سکے کہ

اسڈا دین سانجھا ہے سڈا ایمان سانجھا اے
اے ہندوستان سانجھا ہے او پاکستان سانجھا ائے

کیڑی گلوں وکڑیاں پائے سڑک تے چنڈیاں لائے
اے درتیٔ ماں ساڈی ایکو پیتا آسمان سانجھا ائے
مرے تھوڑا مرے ساڑا دو ہاں دا درد ہے ایکو
کیوں کرئےقتل اک دو جے داجدوں نقصان سانجھا ائے
او گل وکڑیاں پائے راہاں ہچ دیپ جھلکایئے
تسی آئے آسی آواں گے یہ علان سا نجھا ئے

علاوہ ازیں ایک طویل فہرست صوفی اور سنتوں کی بھی اس امر میں سرگرم عمل نظر آتی ہیں جہاں بگھت کبیر یہ کہتے ہوئے امن کا پیغام دیتا ہے کہ

دوئی جگد یش کہاں تے آئے کہوں کون بھرمایا
اللہ رام کریم کیشو ہریٔ حضرت نام دھرایا

(دنیا کے دو مالک کہاں سے آ گئے کیوں کس نے دھوکا دیا اللہ، رام، کریم، کیشو، ہری حضرت یہ ایک ہی اللہ کے نام رکھے ہوئے ہیں۔)

تو وہیں دوسرے طرف گرونا نک کہتے ہیں

حمد کریں برہما بھی تیری اندر بھی تعریف کریں
گُن گائے ہر گوپی بھی گو بند تیری توصیف کرے
حمد کرے ایشر بھی تری سدھ بھی تیری شان بتائیں
جتنے بدھ بنائے تونے وہ سارے تیری مہیما گائیں

(جب جی صاحب پوڑی 26 شکول 7-8)

وحدت کے اس حسین اعترف کے باوجود دوسری طرف میاں محمد بخش المعروف میاں میر مسلمان ہوتے ہوئے مذہبی رواداری اور انسانی بھائی چارے کے لئے گولڈن ٹمپل کی بنیاد رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ معین الدین چشتیؒ، غریب پروری کرتے ہوئے سلطان الہند اور غریب نواز ہو جاتے ہیں۔ بابا بھلے شاہ گھنگرو

باندھ کر اعلان کرتے ہے کہ:

بھلیا چیری مسلان دی ہندو توں قربان
دو ہاں توں پانی وار پی جو کرے بھگوان

''بُھلے شاہ تو مسلمان کا بھی غلام ہے اور ہندو پر بھی قربان تم دونوں سے محبت کرو خدا خیر کرے گا''

بابا فرید، بھگت کبیر اور سور داس کا کلام گرنتھ صاحب میں اکھٹا کرنا بھی تعصّبات اور بدامنی کو مٹانے کی ایک مخلص کوشش تھی۔ یہ تو صرف برصغیر کا حال ہے یقیناً باقی دُنیا میں بھی ایسے ادیب مفکر کام کرتے ہونگے کہیں مدر ٹیرا سا کام کر رہی ہوگی تو کہیں نلسن منڈیلا انسانی حقوق کی بحالی کی خاطر قید و بند کی صعبتیں اُٹھا رہے ہونگے، کہیں کنگ مارٹن لوتھر اسی خواب کی تعبیر پانے کے لئے ابدی نیند سو گئے ہونگے۔ یہ مثالیں مشت از خروارہ کے مصداق ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ادیب ہر پرآشوب دور میں موجود اور سرگرم عمل رہا۔ پیام امن کے لئے تلواریں بھی اندر باہر کھنچتی رہیں لیکن مفکر اور ادیب کا قلم ہر دور میں چلتا رہا۔ ادیب یا شاعر کہیں کا بھی ہو اپنی حساس طبیعت اور دور اندیشی سے دوسروں کی نسبت بہت جلد حالات کی تبدیلوں کا ادراک کر لیتا ہے۔ ایک وطن یا ملک یا دیس میں رہتے ہوئے بھی اُس کی نظر کل عالم کا احاط کئے ہوئے اور اس کا دل کل عالم کا درد سمائے ہوئے ہوتا ہے۔ اس کی وسیع النظری اُس کی سوچ کو محدود نہیں ہونے دیتی۔ وہ جب بھی سوچتا ہے تو کل عالم کے لئے سوچتا ہے۔ اُس کو اس بات سے سروکار نہیں ہوتا کہ کوئی حکومت کتنی مضبوط ہے یا جغرافیائی حدیں کتنی پھیلی یا سکڑتی ہیں۔ اس کو صرف اس بات سے سروکار رہے کہ انسان پُرامن یا پُرسکون ہے کہ نہیں۔ ادیب کبھی انسانوں کے دلوں میں نازک جذبات کی نشونما کر کے اسے دوسروں کی تکالیف کا احساس دلاتا ہے تو کبھی خود ان سے ہونے والی ناانصافیوں کا ادراک کرواتا ہے۔ اور نہ

صرف ان سے نمٹنے کے راستے اور تدابیر بتاتا ہے بلکہ ان کی رہنمائی کرنے کے لئے اس میدان میں سب سے آگے خودسینہ سپر ہوجاتا ہے۔عالمی ادب میں ہو ریس چیخوف،رسل،مارکس اس کے قبیل شعراء،اُدباء، فلسفہ اورافسانہ نگاروں میں سرفہرست ہیں۔رسل نے ویت نام کی جنگ میں واشگاف الفاظ میں امریکہ کی ملامت کی۔سامراجی طاقتوں کے خلاف جرات مندانہ قلم کے ساتھ ساتھ عوامی قیادت کاعلم بھی اُٹھایا۔اس انسان دوستی کے جرم میں پابندسلاسل بھی رہے۔پیرانہ سالی کے باوجودعرب اسرائیل جنگ میں علی الاعلان اسرائیل کوغاصب قرار دیا۔ ایٹمی سائنس دانوں کوانسانیت کا قاتل قراردیا۔

رابندرناتھ ٹیگور کے نام سے کون نا واقف ہے۔ملکوں ملکوں زندگی بھر انسان کا مذہب کے ذیرعنوان تقریروخطابات کرتے رہے پنجاب میں عوام کے تشدد کے خلاف احتجاج کے طور پرسرکا خطاب برٹش سرکارکوواپس کردیا۔جس کی روایت کو گذشتہ برس ہی ہندوستانی شعراء اور اُدباء نے بھی دُہرایا۔جن میں س منوررانا اورارندھتی رائے سرِفہرست ہیں۔

اس قبل کے نامور ادیبوں میں ایم کواٹزی افریقی، نجیب مصری اور خان پاموک ترکی کے ساتھ ہی ایزراپاونڈ کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ایزراپاونڈ امریکی ہوتے ہوئے بھی دوسری جنگ عظیم میں مقیدرہااس کی جان اس کے دوستوں نے اپنے ہی مُلک میں یہ کہہ کر بچائی کہ وہ ذہنی مریض ہیں۔مگر نتیجے میں وہ صحت مند ہونے کے باوجودتیرہ سال واشنگٹن کے پاگل خانے میں رہے۔

یہ مذکورہ بالا نام عالمی ادب کے لاکھوں نمائیندگان میں سے چندمشہورزمانہ مثالیں ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اک تم ہی نہیں تنہامحفل میں میری رُسوااس شہرفنا میں اردو کی زبان بھی ہے۔اس کی ادبی تاریخ پرنظرڈالئے تو اس کا آغاز دکن اور شمالی ہند میں جس دور میں ہوا وہ شخصی حکومتوں کا دورتھااس زبان کی شاعری کی سب

سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا آغاز دربار کے بجائے عوامی خانقاہوں اور عوام سے گہرا ربط رکھنے والے صوفیوں اور سنتوں کے درمیان ہوا چونکہ درباروں میں فارسی زبان کا بول بالا تھا۔ صوفیوں اور رشیوں نے عوام کی آزادی میں کبھی مداخلت نہ کی اور مساوات وامن قائم کرنے کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر دی۔ انسان کے وقار اور اس کے احترام کے جذبات کو فروغ دینے کے لئے صوفیا نے عوام میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی یہی انسان دوستی کبھی کبھی انسان پرستی اور بُت پرستی تک انہیں لے جاتی ہے امیر خسرو نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

خلق می گوید کہ خسرو بُت پرستی می کند
آرے آرے می کنم با خلق عالم کار نیست

دکن کے مشہور شاعر قلی قطب شاہ بھی انسان دوستی میں اس حد تک جاتے ہیں کہ مسجد و بت خانہ سے زیادہ کشش ان کو انسانی پیکر میں نظر آتی ہے۔ غواصی بھی مذہب عشق کے علمبردار نظر آتے ہیں۔ آگے چلئے تو سر راہ ولی دکنی بھی خدا کی مخلوق کے احترام اور اس سے محبت کو اپنی شاعری کا موضوع بناتے ہیں۔

سچ پوچھئے تو اُردو شاعری کے تمام شعرا کا یہ وراثت میں ملا عشق انسانیت کے تعلق سے ایک سمندر کی مانند ہے۔ جس سے خلق خدا کو فیضیاب ہونے کا موقع دینا چاہتا ہے وہ وطن کے حصار سے باہر نکل کر ساری زمیں پر آباد انسانوں کو اپنا بھائی اور دوست تصور کرتے ہیں۔ یہ اسی عشق امن و آشتی کا فیض ہے کہ جب اُردو زبان و ادب کی تاریخ کا قاری اس حوالے سے اُردو زبان ادب پر اُچٹی نگاہ ڈالتا ہے تو کہیں اُسے حسرت موہانی چکی کی مشقت اور مشق سخن امن کی خاطر بیک وقت جاری رکھے نظر آتے ہیں۔ کہیں نہ صرف فیض اسی وضیفے کو آدا کرتے ہوئے بازار میں پا نجولاں چلتے نظر آتے ہیں بلکہ سجاد ظہیر اور دیگر رفقاء کے ہمراہ امن کی تلاش کے جرم میں برسوں قید و بند کی صعبتیں اُٹھانے کے ساتھ ساتھ قلمی جہاد کا علم بلند کئے

ہوئے اپنی زندگی کا نہ صرف بہترین ادب تخلیق کرتے نظر آتے ہیں بلکہ ہر ظلم، ہر شر ہر فساد کے خلاف جیل خانے میں محبوس ہونے کے باوجود آواز اُٹھاتے ہوئے اسے نمٹنے کے رستوں کی نشاندہی کرتے بھی نظر آتے ہیں نہ صرف نظر آتے ہیں بلکہ یہ اعلان کرتے ہوئے بھی سنائی دیتے ہیں کہ:

جسم ہے قید میں جذبات پر زنجیریں ہیں
فکر محبوس ہے گتفار پہ تعزیریں ہیں
لیکن اب ظلم کے معیادکے دن تھوڑے ہیں
اک ذرا صبر کہ فریاد کے دن تھوڑے ہیں

امن وسلامتی کے لئے ان کی ذاتی خدمات کے پیش نظر جہاں انہیں روسی حکومت نے لینن امن پرائز سے نوازا تو وہیں فیض کا نام اس کی زندگی میں ہی دوبار نوبل سمّاں پرائز کے لئے مشتہر ہوا۔ یہ الگ بات ہے کہ بقول غالبؔ

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمیاں ہوگئیں
خاک میں کیا کیا شکلیں ہونگی کہ پنہا ہو گئیں

امن وشانتی عشق ومستی الفت ورواداری کے فیض احمد فیضؔ تنہا مرد میدان نہ تھے اس قافلہ جانِ غسل کی فہرست نہایت طویل ہے جس کے ایک سرے پر جہاں قلی قطبؔ شاہ، عادل شا ثانیؔ، ملا وجہیؔ، ولی دکنیؔ سراجؔ اوراورنگ آبادیؔ، جعفر زٹلیؔ وغیرہ پیغام امن سناتے ہوئے نظر آتے ہیں وہیں درمیاں میں مجازؔ، جوشؔ، علی سردار جعفریؔ، ساحرؔ، اور انگنت دوسرے شعراء واُدباء کی تخلیقات پر نہ صرف پابندی لگتی ہوئی نظر آتی ہے۔ بلکہ کئی ایک کو جیل کی ہوا بھی کھاتے ہوئے ادبی تاریخ کے دریچوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ظفر علی خانؔ، مولانا محمد علی جوہرؔ کس کس کا نام لیا جائے ہر ایک ہی میدان امن وآشتی کا رستم دوراں رہا ہے۔تاریخ نے دیکھا کہ نہ ان کا قلم رُکا نہ ان کے حوصلے ٹوٹے ہاں اگر کچھ ٹوٹا تو سانس کا رشتہ ٹوٹا

چونکہ ان کے لئے کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں تھا۔ بقول پریم چند:

''ادب کی بنیادی اقدار خیر خواہی، امن آشتی، انسان دوستی، غریبوں کی حمایت بھائی چارہ، عالمی امن اور روح کی تعمیر ہیں۔ ہمارے قریب اگر اسکے برعکس کوئی دوسرا نظریہ ہوتو اسے نہ صرف دور رہنا بلکہ اس کی نشاندہی کرنا اور اس کے رد کی ہر ممکن کوشش کرنا ایک فطری ادیب کا پہلا اور آخری مذہب ہے اور ہر فطری ادیب اپنے مذہب کو نبھانے کا ہنر خوب جانتا ہے جب کوئی ادیب اس مذہب کو اپنالیتا ہے تو اس سے پیچھے ہٹنا اس کے لئے ناممکنات میں سے ہوتا ہے۔''

مختصراً اس میں شک نہیں کہ دنیا کے ہر ادیب نے ہمیشہ ہی دنیا کے مسائل کا ادراک دوسروں کی نسبت جلد کیا اور موقع کی مناسب سے کبھی تنہا اور کبھی گروہ کی صورت میں ان سے نبرد آزما رہا۔ مختلف ادوار میں ہم دیکھتے ہیں کہ کئی قسم کی تحریکیں بھی اٹھیں۔ اِن تحریکوں نے انسانی اذہان پر اثرات بھی مراتب کئے ادیب بھی ان کے زیر اثر آتا رہا۔ اگر وہ حالات اس کے مشق کے حق میں تھے تو اُن کا ساتھ دیا اور اُن کو پروان چڑھانے میں مددگار رہا اور اگر وہ اس کی مشق امن و آشتی و بھائی چارگی کے خلاف تھے تو اس کے مقابلے میں نہ صرف اکیلا نبرد آزما رہا بلکہ منظم ہوکر گروہ کی حیثیت سے بھی اپنا فرض نبھاتا رہا''

رومانیت، کلاسکیت، حقیقت نگاری عالمی ادب میں اہم تحریکیں رہیں ہیں۔ جن کے مشن کو دنیا بھر کے شعرا و ادباء نے چار چاند لگانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے۔ چونکہ حقیقت نگاری نے شعرا و ادبا کو مافوق الفطری عناصر غیر حقیقی اور تصوراتی خیالات سے نجات دلائی۔ انہیں حقیقت کو جانچنے پرکھنے اور برتنے کا سلیقہ عطا کیا۔ کلاسکیت نے اقدار اور خوبصورتی سے لگاؤ کا ہنر بخشا۔ رومانیت نے ادب اور انسان میں نرمی محبت اور ہمدردی اور خدا ترسی کے جذبات کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا اور آج کے موضوع یعنی قیام امن میں اس کا کردار سب سے

نمایاں نظر آتا ہے۔

ادب میں ان تحریکوں کے علاوہ سیاسیات، سماجیات، عمرانیات اور نفسیات وغیرہ سے بھی تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ طرح طرح کے ازم مثلاً گاندھی ازم، احیا پرستی وفرقہ پرستی کے رجحانات اور شتراکیت وغیرہ ان میں ادیب ہر تحریک میں اپنا حصہ ڈالتے نظر آتا ہے۔ اشتراکیت کا اثر اگر اردو شاعری پر دیکھنا مقصود ہو تو اس عہد کے تمام شعرا ءوادباء بالخصوص منشی پریم چند، حیات اللہ انصاری، کرشن چندر، سعادت حسین منٹو، قراۃ العین حیدر، عصمت چغتائی، علامہ اقبالؒ، مجاز، سلام مچھلی شہری، جوش، کیفی اعظمی اور علی سردار جعفری کی تخلیقات سے اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

علاوہ ازیں برصغیر ہی کی آزادی کو لے لیجئے۔ اگر تمام لیڈروں کی کاوشات کو اس ضمن میں ایک پلڑے میں رکھا جائے اور اُدباء وشعرا کی نگارشات کو دوسرے میں تو پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اُدباء وشعرا کا پلڑا بھاری ہی نہیں بلکہ بہت وزنی رہے گا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد UNO کا ساری ادباء برادری کو مدد کرنے کے لئے آواز دینا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ UNO کا امن زیادہ دیر تک تو کیا قیام امن کی ابتدا بھی کرنے سے معذور تھی کیونکہ جنگ کی ہولنا کیاں اس قدر شدید تھیں اور نقصانات کی فہرست اتنی طویل تھی کہ انسان کا دل صبر کے بجائے بدلے کی آگ میں جل رہا تھا۔ کوئی عقلی دلیل اس کو قبول ہی نہیں تھی۔ اس وقت انسانیت کے زخمی ذہن ودل کو مندمل کرنے کی سخت ضرورت تھی اور یہ ملکہ ادیب کے علاوہ کسی کو نہیں آتا۔ ادیب ہی دُنیا کا وہ واحد مسیحا ہے جو نفرت کی آگ میں جلے دل کے پھپھولوں پہ نرم ن گداز پھار کھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے UNO نے ادیب کی اس آفاقی مسیحائی کا ادراک

رکھتے ہوئے اسے بروقت پکارااوراُدباء نے اپنی فطرت کے پیش نظر یوا ین او کی آواز پر لبیک کہا۔ یہ وہی دور تھا جب اُردو کا فلمی شاعر ساحر لُدھیانوی اپنی شہر آفاق نظم پر چھائیں تحریر کر رہا تھا اور دُنیا کے مجروح قلوب کو یہ کہکر ڈھارس بندھا رہا تھا کہ یہ سرزمیں ہے گوتم و نانک کی

اس ارض پاک پہ وحشی نہ چل سکیں گے کبھی
ہمارا خون امانت ہے نسل نوکےلئے
ہمارے خون پہ لشکر نہ پل سکیں گے کبھی
کہو کہ آج بھی ہم اگر خاموش رہے
تو اس دہکتے ہوئے خاکداں کی خیر نہیں
جنوں کی ڈھالی ہوئی ا یٹمی بلاوں سے
زمیں کی خیر نہیں آسمان کی خیر نہیں
گزشتہ جنگ میں گھر ہی جلے اس بار
عجب نہیں کہ یہ تنہائیاں بھی جل جائیں
گزشتہ جنگ میں پیکر جلے مگر اس بار
عجب نہیں کہ یہ پر چھائیاں بھی جل جائیں
بہت دنوں سے ہے یہ مشغلہ سیاست کا
کہ جب جواں ہوں بچے تو قتل ہو جائیں
اس دور میں جینے کی قیمت
یا دارو رسن یا خواری ہے
نہ دوستی نہ تکلف نہ دلبری نہ خلوص
کوئی کسی کا نہیں آج سب اکیلے ہیں

ہر ایک گام پہ بدنامیوں کا جمگھٹ ہے
ہر ایک موڑ پہ رسوائیوں کے میلے ہیں

نظم کافی طوئل ہے میرا بس چلے تو میں اس کا ہر بند یہاں تحریر کردوں علاوہ ازیں اس میدان میں ساحرا کیلئےنہیں اُترے بلکہ اس دور کے تقریباً ہر ادیب و شاعر نے اس فرض کو بخوبی نبھایا اور یہ سفر تا ہنوز جاری و ساری ہے۔ ادیب کا دل دُنیا کے ہر شخص کے دکھ پر ٹیس محسوس کرتا آرہا ہے۔ وہ ہر ظُلم پر نعرہ بلند کرتا آرہا ہے۔ چاہئے ظلم ایرنی طلبہ پر یا افریقوں پر، چاہئے ظلم امریکہ کے مزدوروں پر ہو، یا روس کے مزدوروں پر، چاہئے ظلم فلسطین، افغانسان، چچنیا، بوسنیا، شام یا برما میں ہو، یا گجرات کہ کشمیر میں قصیہ کوتاہ کسی زی روح پر ہوا ہو ادباء کا سارا کلام ہی نہیں بلکہ اُن کی ساری زندگی بھی اس ظلم و زیادتی اور بدامنی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ یہاں ان سب ادیبوں کے بارے میں یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ کسی ایک نام کو پیش کریں جس نے اس کام کے لئے کم از کم اپنی قلم کو جنبش نہ دی ہو۔ اور انسانیت کو یہ احساس نہ دلایا ہو کہ

جلتے گھر کو دیکھنے والو پھوس کا چھپر آپ کا ہے
آگ کے پیچھے تیز ہوا ہے آگے مقدر آپ کا ہے
اس کے قتل پہ میں بھی چپ تھا میرا نمبر اب آیا
میرے قتل پر تم بھی چپ ہو آگلا نمبر آپ کا ہے
جلے مکانوں میں بھوت بیٹھے بڑی متانت سے سوچتے ہیں
کہ جنگلوں سے نکل کر آنے کی کیا ضرورت تھی آدمی کو
میں جاگ جاگ کے کس کس کا انتظار کروں
جو لوگ گھر نہیں پہنچتے وہ مرگئے ہو نگے

دشمنی کا سفر اک قدم دو قدم
تم بھی تھک جاو گے ہم بھی تھک جائیں گے

دُنیا کے سب پہلے مفکر تھیلز آف مالیٹس سے جب پوچھا گیا کہ انسان امن و سکون اور انصاف کے ساتھ کیسے رہ سکتا ہے تو اس کا جواب تھا کہ

''ہم ہر وہ کام چھوڑ دیں جس کا دوسروں کو الزام دیتے ہیں''

میں نے اپنی خشک آنکھوں سے لہو چھلکا دیا
اک سمندر کہہ رہا تھا مجھ کو پانی چاہئے

❖❖❖❖

قرآن اور امنِ عالم کے عناصر ترکیبی

ڈاکٹر عنایت اللہ وانی ندوی
اسسٹنٹ پروفیسر (عربی)
گورنمنٹ ڈگری کالج، ڈوڈہ

عربی زبان وادب میں اگر چہ بہت سے مصادر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے لیکن قرآن کریم عربی زبان وادب کا اعلیٰ ترین شاہکار ہے، یہ انسانی نہیں بلکہ الٰہی کلام ہے، کیونکہ قرآن کا تصور آفاقی ہے اس لئے اس آفاقی تصور نے زندگی کے اُفق کو بھی وسیع تر کر دیا، اس آفاقی وانقلابی تصور سے ہر شعبۂ زندگی متاثر ہوا، قرآن کے زیر اثر جہاں علم وفن کے نئے زاویے بنے اور ادب میں حریتِ فکر، وسعتِ نظر، بلندئ معنی اور پاکیزگئ تخیل کے اوصاف پیدا ہوئے، وہیں انسان کو ظلم وجور، بدامنی وانارکی اور جہالت کی دلدل سے نکل کر عدل وانصاف اور امن وسلامتی کے ساحلِ امان تک آنے کا موقع ملا، ادبِ عربی نزولِ قرآن سے پہلے صرف لفظی حسن وشوکت کا آئینہ دار تھا اور اس کا مقصد محض جذباتِ سافلہ کی ترجمانی تھی، قرآن نے ادب عربی کو صوری ومعنوی حسن کے ساتھ ساتھ جذباتِ عالیہ کی ترجمانی کے آداب سکھائے، قرآن مجید نے ادب کا رخ عدل وانصاف، خدمتِ خلق، تائیدِ حق وصداقت، نفاست پسندی، عفت وحیا اور خدا پرستی کی طرف موڑ دیا، آج دنیا کے کسی ادب میں وحدتِ عالم، وحدتِ انسانیت، فکرِ صحیح اور بہتر اخلاق کی جو حوصلہ افزائی ہورہی ہے وہ اسی قرآنی ادب کی تاثیر کا نتیجہ ہے۔

قیام امن مقاصدِ شریعت میں سے ایک اہم مقصد ہے، علمائے محققین نے مقاصد شریعت کو پانچ امور میں منضبط کیا ہے اور وہ ہیں: حفاظت دین، حفاظت عقل، حفاظت جان، حفاظت نسل، حفاظت مال۔ علامہ ماوردیؒ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ''دنیا کی درستگی اور انتظام چھ امور پر منحصر ہے''۔ ان میں سے ایک ہے: ''ایسا امن عام جس کی وجہ سے تمام انسان مطمئن ہوں اور اس میں عزم وہمت کو مہمیز ملے، بے گناہ اس میں پُرسکون ہوں اور کمزور محفوظ ہوں''۔ (بحوالہ: اثر تعليم القرآن الكريم في حفظ الأمن، از: ڈاکٹر عبدالقادر الخطیب، ص: ۷، ۸)

قرآن کریم امن عالم کا نہ صرف داعی ہے بلکہ اس کے اصول وضوابط متعین کرنے والا اور قیامِ امن کا صحیح راستہ بتانے والا ہے، قرآن امن کو ایک عظیم نعمت اور عطیہ الہی کے طور پر بیان کرتا ہے، قریش کو بہت سی نعمتوں کے ساتھ ساتھ نعمتِ امن کو یاد دلاتے ہوئے قرآن کہتا ہے: "الذی أطعمهم من جوع وآمنهم من خوف"۔ (سورۂ قریش) ترجمہ: جس نے بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا''۔

امن کے عناصر ترکیبی میں قرآن بنیادی حیثیت ایمان کو دیتا ہے، کیونکہ جو شخص اپنے خالق ومالک اور پروردگار ہی سے نا آشنا ہوگا اور اپنے رب کے سامنے احساسِ جوابدہی سے عاری ہوگا امن وسلامتی کی نعمت سے کیوں کر سرفراز ہوسکتا ہے؟! سورۂ انعام میں پہلے ایک سوال کیا گیا کہ "فأي الفريقين أحق بالأمن ان كنتم تعلمون"۔ (آیت: ۸۱) اور پھر جواب دیا گیا ہے کہ "الذين آمنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم أولئك لهم الأمن وهم مهتدون"۔ (آیت: ۸۲) ترجمہ: ''حقیقت میں تو امن انہی کے لئے ہے اور راہِ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا''۔

معلوم ہوا کہ امن کی اُساس ایمان پر قائم ہوسکتی ہے اور امن عالم کے قیام کی کوئی اسکیم جو ایمان باللہ او ایمان بالآخرت سے شروع نہ ہو قطعاً کامیاب نہیں ہوسکتی ہے، اس لئے کہ قیامِ امن کے لئے ہر قسم کی مساعی کی بنیاد لازمی طور پر کسی نہ کسی نظریہ اور نظام کی مرہونِ منت ہے، انہی دو چیزوں کی اصلاح اور بگاڑ پر جملہ اقوام عالم کی اصلاح یا بگاڑ موقوف ہے، جس کا نظریہ اور عقیدہ ہی غلط ہو وہ نظام خواہ کتنا ہی مستحکم اور معقول کیوں نہ ہو وہ نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا ہے اور جس کا نظریہ اور عقیدہ تو درست ہو مگر نظام کار غلط یا ناہموار ہو تو وہ خیالات کی دنیا کے ایک اجنبی مسافر کی طرح بھٹکتا رہے گا۔ اس لئے قرآن نے عالم انسانیت کو عقیدہ اور نظریہ بھی دیا جو عقل وفطرت کی رو سے بالکل صحیح وبرحق ہے اور نظام کامل بھی دیا جو تمام شعبہائے زندگی میں نہایت معتدل، آسان، فطری اور کامیاب تر ہے۔

وحدت الٰہ کے نظریہ کے بعد قرآن نے قیامِ امن کے لئے دوسری اُساس وحدتِ انسانی کے تصور پر رکھی ہے، قرآن نے صدیوں کی طویل خاموشی اور چھائے ہوئے اندھیرے میں یہ انقلابی، قلوب واذہان کو جھنجوڑنے والا اور حالات کے رخ کو موڑ دینے والا اعلان فرمایا: ''**يأيها الناس انا خلقنكم من ذكر وانثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا، ان أكرمكم عند الله أتقاكم**''۔ (سورۂ حجرات: آیت: ۱۳) ترجمہ: ''لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے''۔ یہ فرمان دو اعلانوں پر مشتمل ہے جو امن وسلامتی کے قیام کے لئے دوستونوں کی حیثیت رکھتے ہیں، اور وہ ہیں: **وحدة الرب** اور **وحدة الأب**۔ بقول مولانا سید اُبوالحسن ندویؒ: یہ وہ دوستون ہیں ''جن پر ہر جگہ اور ہر زمانہ میں امن وامان کی عمارت قائم ہوئی ہے، اس طرح

ایک انسان دوسرے انسان کا دو رشتوں سے بھائی ہوتا ہے: ایک رشتہ جو بنیادی ہے وہ یہ کہ دونوں کا رب ایک ہے، دوسرا رشتہ یہ ہے کہ دونوں کے باپ 'مورث اعلیٰ' ایک ہی ہیں''۔ (تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات، از: سید ابو الحسن ندویؒ، ص: ۳۱، ۴۹)

قرآن نے وحدتِ الٰہ اور وحدتِ انسانیت کا تصور پیش کر کے وہ بنیاد فراہم کی ہے جس کے بعد رنگ ونسل کے تمام امتیازات مٹا کر اولادِ آدم کو اتحاد ویگانگت اور بھائی چارے کی لڑی میں پرویا جا سکتا ہے، اور عالمی امن کے قیام کو عملی صورت دی جا سکتی ہے، اسی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطراف واکناف میں مختلف فرمانرواؤں کو امن وسلامتی کے پرچم تلے آنے کی دعوت دی، خطوط ارسال کئے اور سفارتی سطح پر سرگرمیوں کو تیز کیا۔

امن عالم کی اَساس ایمان پر رکھنے اور انسانوں کو وحدتِ الٰہ اور وحدت انسانیت کی مالا میں پرونے کے بعد قرآن دنیا کے اندر فساد وانارکی کی ہر نوع پر قدغن لگاتا ہے، قرآنِ کریم میں ہے کہ: "والله لا يحب الفساد"۔ اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے کیونکہ فساد سے روئے زمین سے امن وسکون مفقود ہو جاتا ہے، حکم الٰہی ہے: "ولا تفسدوا في الأرض بعد اصلاحها"۔ (سورۂ اَعراف، آیت: ۵۶) ترجمہ: ''اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے''۔

قرآن نے ہر اس فعل کو فساد قرار دیا ہے جو عدل وانصاف کے خلاف ہو، قرآن میں عموماً اس کا اطلاق اجتماعی اخلاق اور نظام تمدن وسیاست کے بگاڑ پر کیا گیا ہے، مثلاً قرآن فرعون وثمود کو فساد کا مجرم قرار دیتے ہوئے کہتا ہے: "الذين طغوا في البلاد فأكثروا فيها الفساد"۔ (سورۂ الفجر، آیت: ۱۱) ترجمہ: ''جنہوں نے دنیا کے ملکوں میں بڑی سرکشی کی تھی اور ان میں بہت فساد پھیلایا تھا''۔

ظلم کے ہوتے ہوئے امنِ عالم کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونا ناممکن ومحال ہے اس لئے قرآن مجید ظالم کو ظلم سے باز رکھنے کے لئے مظلوم کی مدد کو ضروری قرار دیتا ہے تاکہ سب کو یکساں طور پر امن مل سکے، ظلم کی چکی میں پسنے والی انسانیت کو ظلم کے شکنجے سے آزادی دلانے کے لئے اور روئے زمین سے فتنہ وفساد کو ختم کرنے کے لئے ظالم کے خلاف جوابی کاروائی کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير"۔ (سورۂ حج: آیت: ۳۹) ترجمہ: ''اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے''۔

عدل وانصاف کے سلسلہ میں وارد قرآنی ارشادات واحکام سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن نے انسانوں کو ایک ایسا ٹھوس اور مستحکم لائحۂ عمل فراہم کیا ہے جس میں ذاتی اغراض ومفادات سے بالاتر ہوکر جادۂ انصاف پر گامزن ہونا ایک انسان کی ذمہ داری قرار پاتی ہے، اور جانبداری سے مکمل طور پر اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ہے: "واذا قلتم فاعدلوا ولو كان ذا قربى"۔ (سورۂ أنعام، آیت: ۱۵۲) ترجمہ: ''اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو''۔

جس معاشرہ کا شیرازۂ امن بکھرتا ہے اس کی پہلی زد انسانی جان پر پڑتی ہے، نزول قرآن سے پہلے انسانی جان کی کوئی اہمیت نہیں تھی مگر قرآن نے انسانی جان کو وہ عظمت واحترام بخشا کہ ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "من قتل نفسا بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعا"۔ (سورۂ مائدہ، آیت: ۳۲) ترجمہ: ''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا''۔

انسانی جان کا ایسا عالمگیر اور وسیع تصور اور کسی جگہ ملنا ناممکن ومحال ہے، قتل چاہے ناحق ہو اس کو بھی حرام اور قابلِ سزا قرار دیا ہے اور اگر فقر وفاقہ اور تنگدستی یا شرم وعار کی وجہ سے ہو اس کو بھی حرام قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**ولا تقتلوا أولادکم من املاق**''۔ (سورۂ أنعام، آیت: ۱۵۱) اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے اور ان کو ناپسند کرنے کے حوالے سے بھی قرآن نے جابجا سخت نکیر کی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قرآن کی آفاقی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہی امن عالم کا قیام ممکن ہے، ان تعلیمات کے عملی نفاذ سے شاہراہِ حیات پر کامیابی وکامرانی کے ان گنت مقفل دروازے بھی کھولے جا سکتے ہیں، خوشحالی کو ہر انسان تک پہنچایا جا سکتا ہے، انسان کا بنایا ہوا کوئی نظام نہ حرفِ آخر ہو سکتا ہے اور نہ ہی غلطیوں سے مبرا، لیکن قرآن نے جو نظام حیات ہمیں دیا ہے وہ اعتدال وتوازن کا شاہکار ہے اور عدل وانصاف کے آفاقی اصولوں پر مبنی ہے اس میں نہ کوئی جھول ہے اور نہ ہی کوئی خلا، اس لئے قرآن چیلنج دے کر یہ بات کہتا ہے کہ اس سے بہتر نہ کوئی کلام ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی نظام حیات جو دنیا میں امن وسلامتی کا ضامن ہو، تاریخ اس کی گواہ ہے کہ اسی نظام کو اپنا کر ظلم وجور کے مارے لوگوں کو امن وسلامتی نصیب ہوئی اور مستقبل کے لئے بھی یقینی طور پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ:

فضول سمجھ کر بجھا دیا جن کو
وہی چراغ جلاؤ گے تو روشنی ہوگی

❖❖❖❖

عالمی امن میں ہندی زبان وادب کا کردار

اسسٹنٹ پروفیسر ایشونی کمار
صدر شعبہ ہندی
گورنمنٹ ڈگری کالج ڈوڈہ
مترجم: ڈاکٹر امتیاز احمد
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو گورنمنٹ کالج ڈوڈہ

انسان جیسے ہی اس دُنیا میں آتا ہے وہ سب سے پہلے گوں گاں کرتا ہے۔ دھیرے دھیرے بڑا ہوتا ہے۔ اپنی خواہشات کو طوطلی زبان میں ظاہر کرنے کی کوششیں کرتا ہے۔ بعدازاں اپنے خیالات کسی صاف وسادہ زبان میں بیان کرتا ہے۔ مُنہ سے جس بولی کا وہ استعمال کرتا ہے اُس بولی کے مختلف ٹکڑوں کو الفاظ کا نام دیا جاتا ہے۔ اِنہی الفاظ کی با معانیٰ ترتیب تشکیل اور تحریری عمل سے زبان وجود میں آتی ہے۔ الفاظ ہماری زندگی میں ایک اہم رول ادا کرتے ہیں سماج میں ہماری پہچان کی علامت اور ہمارے کردار کی ترقی کا ضامن بنتے ہیں۔ ہندی اور ہندوی (اُردو) زبانوں کی ایک بہت بڑے شاعر کبیر داس نے الفاظ کی تعریف میں ایک ہندی دوہے میں کچھ یوں کی ہے

شبد برابر دھن نہیں جو کوئی جانے بول
ہیرا تو داموں ملے شبد مول نہ تول

الفاظ ہمارے سماجی رشتوں کو استوار کرنے کا ایک بہترین آلہ کار ہیں یہ نہ صرف سماجی رشتوں کو جوڑتے ہیں بلکہ یہ بھی ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ الفاظ ہمارے دلوں کو ہیروں کی لڑی کی طرح پرونے کا کام کرتے ہیں۔ زبان کا استعمال کرتے وقت الفاظ کا زیر و بم اور اُن کی آدائیگی کے ہنر کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ کبیر داس نے اس ضمن میں بجا طور لکھا ہے۔

کٹیل وچن سب سے بُرا جس سے ہوت نہ چھار
سادھو وچن جل روپ ہے بر سے امرت دھار

آج کے اس دہشت پسند دور میں ساری دُنیا کے اندر دہشت گردی، دنگے، فساد اور لالچ وخود غرضی پھیلی ہوئی ہے۔ لوگ بے دردی سے انسانیت کے کشت وخون کے لئے کمر بستہ ہو گئے ہیں۔ انسان کی عظمت کو اگر کوئی شے پھر سے انسانی اذہان میں جگہ دلا سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف زبان وادب ہے چونکہ زبان وادب دُنیا کی واحد وہ شے ہے جس کی بنیاد محبت واشتراک ہے اور جس کا انسانیت اخوت رواداری کے جذبے کے علاوہ کوئی اور مذہب نہیں ہے۔ زبان کی ان بنیادی خصوصیات کو پس وپیش رکھ کر دُنیا زبان وادب کی اس افادی اہمیت سے روز بہ روز دور اور بے خبر ہوتی جا رہی ہے۔ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے کہ انسانی سماج کو دُنیا کی اہم زبانوں کے ادب کی طرف راغب کیا جائے آج کے اس سیمینار کا مقصد بھی یہی ہے۔ دنیا کی دیگر اہم اور گراں مایا زبانوں کی طرح ہندی زبان وادب کے بھی ہم مشکور ہیں کہ اس جدید ہندوستانی زبان نے بھی اپنی ہم عمر دیگر زبانوں کی طرح عالمی امن کی بقاء وسلامتی میں نہایت ہی اہم رول آدا کیا ہے۔ پوری دُنیا کی زبانوں میں ہندی واحد زبان ہے جس کو سنسکرت جیسی مایا ناز زبان کے ساتھ نہایت ہی مضبوط ومربوط رشتہ ہے۔ جس کی وجہ سے ہندی کے اندر سنسکرت زبان کے وہ ادبی شاہکار غیر محسوس طور پر داخل ہو گئے ہیں جنہیں مقدس

ادبی ولسانی شاہکار ہونے کے ساتھ ہی ساتھ مذہبی طرزِ عمل کی بنیاد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جس میں پوتر گیتا اور رامائن خاص طور سے اہمیت کے حامل ہیں۔

اگر عالم انسانیت خالص ان دو ہی پاک صحائف کی طرف اپنی توجہ مرکوز کرتی تو یقیناً انسانیت حُب واُلفت کی معراج حاصل کر لیتی۔ تُلسی داس کی رام چریتر مانس کو بھلا کون بھول سکتا ہے۔ جس کا مول رس ہی شانت رس ہے۔ شانتی واُونتی کے لئے ادبی امتیاز سے شاید ہی کوئی دوسرا مواد ایسا ہوسکتا ہے کہ جس کے ذریعے سے امن وامان کی فضاء قائم کی جا سکے۔ بنیادی طور پر یہ ایک خاندانی نظام کو استوار کرنے والا گرنتھ ہے جس میں میل جول کی بھاونائیں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ میرے مطابق امن کی فضاء بنانے کے لئے اس ادبی شاہکار کو عملی زندگی میں برتنا بہت ضروری ہے۔

چونکہ اس مذہبی اور ادبی کتاب میں سماج کے ہر ورگ ہر رشتے اور ہر مریادہ کا پالن کا پاٹھ اس کتاب کے ذریعے پڑھایا جاتا ہے۔ چونکہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ رام کو مریادہ پرشوتم کا سُروپ مانا جاتا ہے۔ اب جو کھتا ایسے شخص کی زندگی پر مبنی ہو اس کھتا کے اندر امن وشانتی کے پرستاو کا ہونا از بسکہ فطری شے ہے۔ اپنے باپ کی عزت رکھنے اور اُن کے وچنوں کی مریادہ رکھنے کے لئے چودہ برس کا بن باس لینا اس بات کی نشانی ہے کہ رامائین مریادہ امن کا پیغام دیتی ہے۔ علاوہ ازیں رام اور دشرت کا جو رشتہ رامائین میں رکھا گیا ہے وہ ساری دُنیا کے لئے ایک شمع راہ کی حثیت کا حامل ہے۔ رام اور لکشمن کے حوالے سے جو بھائی بھائی کے رشتے کی مریادہ بیاں کی گئی ہے وہ اخوت کی فضا کی استوار کرنے کے لئے اپنے اندر ایک بے مثل کہانی ہے۔ ماں سیتا کے ذریعے سے ایک باوفا عورت اور اُس کی زندگی کے ساتھ بڑی مشکلات کی کہانی جس انداز میں تُلسی داس نے بیان کی ہے وہ بھی مرد وعورت کے رشتے کی مریادہ اور اُس کے مقام کی طرف ایک

زریں اِشارہ کا حامل ہے۔

تُلسی داس کی رامائین کے بعد جس صوفی سنت کی ادبی تخلیقات نے ہندی زبان وادب کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنانے میں اپنے زرّین خیالات کو دوہوں میں ڈھال کر ایک اہم رول ادا کیا ہے اُن کا نام کبیر داس ہے جو بیک وقت ہندی اور پنجابی زبانوں کے شاعر وقلم کار تھے جن کے اکثر دوہے گروگرنتھ صاحب میں شامل ہیں اور شامل کرنے کی ایک وجہ تھی کہ اُن کے دو ہے الفت امن اور محبت سے لبریز تھے جیسے کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ کبیر نے امن وشانتی کے لئے زبان کو نہایت اہم قرار دیا ہے۔مثال کے طور پر درج ذیل سطور ملاحظ فرمائیں:

ایسی وانی بولئے من کا آپا کھوئے
اورن کو شیتل کرے آپ بھی شیتل ہوئے

اگر مجموعی طور پر صوفی شعرا کی شعری ونثری تخلیقات کا جائزہ لیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ماتری بھومی بھارت میں امن وشانتی کی فضاء کو استوار کرنے میں صوفی سنتو کی ایک بہت بڑی جماعت نے اپنے زرّیں پیغامات کے ذریعے دلوں کو مغلوب کرنے کا گرُ دکھایا ہے۔یہی وجہ ہے کہ صوفی شاعری کو ہندی زبان میں محبت کے ادب سے جانا جاتا ہے۔محبت کا ادب وہ ادب ہے جس کا مرکزی کردار خود خالق کائینات ہے جس کے انگنت نام ہیں جس کو جو نام پیارا لگتا ہے وہ اُسی نام سے اس ذات کو پکارتا ہے جس کے قبضے میں تمام جانداروں اور بے جانوں کی بقاء ہے۔صوفی ادیبوں نے ہمیشہ محبت کا پیغام دیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ مذہبی رواداری اُن کے ادبی شاہکاروں کی جان ہے۔

مجموعی طور پر راقم یہ لکھنے پر مجبور ہے کہ اتنی ماہان ادبی روایت کا حامل ہونے کے باوجود ہم اتنے متشدد اور لاچار کیوں ہیں؟۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ادب وزبان کی اہمیت وافادیت کے

دامن کو اپنے ہاتھوں مایا اور موہ کو بیچ دیا ہے۔ مادی ضروریات اور اس کی تکمیل میں سرگرم ہونے نے ہمیں زبان و ادب کی روحانی افادیت سے کوسوں دور کر دیا ہے۔ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے کہ ہمیں اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ اگر ہمیں امن و شانتی رواداری، مذہبی یگانیت کی فضاء کو قائم کرنا ہے تو ہمیں تو زبان ادب کی طرف اپنی توجہ مرکوز کرنا ہے چونکہ دورِ حاضر کی نوجوان نسل سائینس و حساب پڑھنے ہی میں فخر محسوس کرتی ہیں جبکہ ادب کے تئیں اُن کے جذبے نہایت ہی سرد ہیں۔ بحیثیت اُستاد ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم نئی نسل کو ادب کے قریب لانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں یہ انسانیت کی بقاء کے لئے ہماری سب سے بڑی قربانی ہوگی۔ چونکہ ادب اچھے اور بُرے کی تمیز سکھاتا ہے۔ سچ اور جھوٹ میں فرق بتاتا ہے ہمارے دل کا تعلق دماغ سے جوڑتا ہے جب دل کی بات دماغ سے پرکھی جاتی ہے تب ہر بات سچ کی آنکھ میں اُترتی ہے امن اسی وقت ممکن ہے جب ہم حق و صداقت کی راہ پر چلیں اور یہ سچ صرف اور صرف ادب ہی سکھاتا ہے چونکہ ادب کی ضرورت محبت ہے اور محبت سچائی کی بنیاد جہاں محبت ہوگی وہاں سچائی ہوگی۔

❖❖❖❖

عالمی امن میں حضرت عمرؓ کے خطبات اور خطوط کا کردار

یاسر عرفات بیگ ندوی
اسسٹنٹ پروفیسر عربی

عربی زبان دنیا میں بولی اور سمجھی جانے والی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک اہم ترین زبان ہے۔ ۱۰۱۶ء میں آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے جب حضرت محمد ﷺ پر قرآن پاک نازل ہوا تو عربی زبان کی اہمیت دو چند ہوگئی، اور قرآن پاک عربی زبان کا اہم ترین اور اعلیٰ ترین ادبی سرمایہ قرار پایا۔

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ جب سے قرآن پاک کا نزول اس دنیا میں شروع ہوا، پورے عالم میں امن کی باد بہاری چل پڑی۔ اور قرآن پاک نے ببانگ دہل یہ اعلان کیا کہ تمام آسمانی مذاہب کا مشترک مشن اس عالم کو امن کا گہوارہ بنانا ہے، بڑے بڑے عالمی مذاہب کے مشترک نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امن کے تعلق سے مناجات کو قرآن پاک نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ "رب اجعل هذا البلد آمنا..... الآیة اے میرے رب اس شہر کو امن کا گہوارہ بنادے۔ القرآن

عربی زبان وادب کا دوسرا اہم ترین سرمایہ حضور ﷺ کی احادیث ہیں، جو عالمی امن کی تشکیل میں مقام عروج پر فائز ہیں۔ نمونہ کے طور پر ہم فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ کے اس اعلان کا حوالہ دیتے ہیں جو مکہ کے مجرموں کیلئے امن و

آشتی کا مژدۂ جانفزا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **من دخل دار أبي سفيان فهو آمن ،ومن أغلق عليه داره فهو آمن،ومن دخل المسجد فهو آمن** جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے وہ پرامن ہے، جو اپنے گھر کا دروزاہ بند کر لے وہ پرامن ہے، اور جو مسجد میں داخل ہوجائے اس کو بھی امن ہے۔

قرآن پاک اور حدیث نبوی کے بعد عربی زبان وادب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبات اور خطوط اہم ترین سرمایہ ہیں، جو نثری ادب کے دو اہم ترین اصناف ہیں۔ ان خطوط اور خطبات کا عالمی امن کی تشکیل میں نا قابل فراموش کردار ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس دنیا میں واحد وہ حکمران ہیں جنہوں نے بائیس لاکھ پچاس ہزار مربع میل سے زیادہ علاقہ پر عادلانہ حکومت کی ہے۔

زمام حکومت سنبھالتے ہی آپ نے اپنے پہلے خطبہ میں یہ اعلان کیا:

"......انی ولیت أمورکم ،اعلموا أن تلك الشدة قد تضاعفت ولكنها تكون على أهل الظلم والتعدى على المسلمين ،أما أهل السلامة والدين والقصد فأنا ألين لهم من بعضهم لبعض،ولست أدع أحدا أن يظلم أحدا ويعتدى عليه حتىٰ أضع خده على الارض وأضع قدمي على خده الاخرىٰ حتى يذعن للحق۔" (منثورات فى الادب العربى عن حيوٰة الحيوان للدميرى ج١)

اے لوگو! مجھے تمہارے معاملات اور امور سلطنت کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ یاد رکھو میری سختیاں کئی گنا بڑھ گئی ہیں، لیکن یہ ان لوگوں کیلئے ہیں جو ظلم وزیادتی کریں گے، البتہ امن پسند اور دین دار لوگوں کیلئے میرا رویہ انتہائی نرم ہے۔ میں کسی کو بھی کسی دوسرے پر ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر کوئی ایسی حرکت کرے تو اس کے ایک رخسار کو زمین پر رکھوں گا اور دوسرے رخسار پر اپنا پیر رکھ دوں گا، یہاں تک کہ وہ حق کو تسلیم کر لے۔

قیام امن کیلئے صوبہ کا حاکم ایک اہم ذمہ دار ہوتا ہے،۔ایک خطاب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عاملین اور حکام کو مجمع عام میں یوں مخاطب کیا: "انی لم أبعثكم أمراء ولا جبارين، ولكن بعثتكم أئمة الهدىٰ يهتدىٰ بكم......" یاد رکھو میں نے تم کو امیر اور سخت گیر بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے تا کہ لوگ تمہاری تقلید کریں۔تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو،ان کی مار پیٹ نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں،ان کی بیجا تعریف نہ کرو کہ وہ غلطی میں پڑیں۔ان کیلئے اپنے دروازے بند نہ کرو کہ طاقتور کمزور کو کھا جائیں۔ان کے مقابلے میں اپنے آپ کو کسی بات پر ترجیح نہ دو کیوں کہ یہ ان پر ظلم ہے۔ (الفاروق ۲/۳۰۔۳۱)

امن وامان کے قیام کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عدالتوں کا قیام عمل میں لایا،تو اس تعلق سے اپنی پالیسی کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا: "ما أبالي اذا اختصم الى الرجلان لأيهما كان الحق...." جب میرے پاس کوئی بھی دو شخص اپنا مقدمہ لے کر آتے ہیں،تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے حق کس کی طرف ہے۔(الطبقات الکبریٰ ۳/ ۲۹۰)

کنز العمال میں حضرت عمر کے ایک خط کے الفاظ یوں ہیں: ''رشوت سے بچو،خواہش پر فیصلہ کرنے سے بچو،اور غصہ کے وقت لوگوں کو پکڑنے سے بچو،اور حق کو قائم کرو۔'' (اسوۂ صحابہ بحوالہ کنز العمال)

امن وامان کے قیام کیلئے تمام جرائم کی خاطر جیل خانوں کو قیام عمل میں لایا گیا تا کہ جرم کو قابو میں کیا جا سکے،محکمۂ پولیس کا قیام عمل میں لایا گیا،اسی طرح فوج کا محکمہ قائم کیا گیا۔اور باقاعدہ فوجی اور رضا کار مجاہدین کی تنخواہیں مقرر کیں۔اس سلسلہ میں شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی کی کتاب الفاروق سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔''

حضرت عمر نے قیام امن کیلئے پولیس کے محکمہ کی بنیاد رکھی،اس سے پہلے شہروں اور

قصبوں کی اندرونی حفاظت کا انتظام لوگ خود کرتے تھے،حضرت عمر نے پہرے داروں کا تقرر کیا،جن کا کام راتوں کو گشت کرنا اور تاریکی کے اوقات میں حفظ امن تھا۔اس محکمہ کے ساتھ جیل بھی قائم کی،عرب میں اس سے پہلے جیل کا رواج نہیں تھا،آپ نے مختلف شہروں میں جیل خانے قائم کئے،بعض جرائم کی سزاؤں میں ترمیم کرکے قید کی سزا مقرر کی،مثلاً عادی شرابیوں کو شرعی سزا کے بعد جیل بھیجا جانے لگا۔حضرت عمر کے قائم کردہ محکمہ پولیس کو احداث کہتے تھے،ابو ہریرہ کو بحرین میں پولیس آفیسر کے اختیارات دئے تاکہ دوکاندار ناپ تول میں دھوکہ نہ کریں،کوئی آدمی سڑک پر مکان نہ بنائے،جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے،علانیہ شراب نہ بکے۔(کیونکہ شہر میں غیر مسلم بھی رہتے تھے)۔(الفاروق ۲ /۳۰۷)

غیر مسلم شہریوں کے تحفظ،ان کے حقوق اور نفس انسانی کے احترام کے تعلق سے حضرت عمر کے فرامین،خطوط اور خطبات عالمی امن کی تشکیل میں سنگ میل ہیں۔مثلا شام کے گورنر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے جو فرمان بھیجا اس میں منجملہ دیگر احکام کے یہ حکم بھی درج ہے۔"**وامنع المسلمین من ظلمھم والاضرار بھم وأکل أموالھم الا بحقھا**" تم بحیثیت گورنر مسلمانوں کو غیر مسلم شہریوں پر ظلم کرنے سے،انہیں ضرر پہونچانے سے،اوران کے مال ناجائز طریقے سے کھانے سے سختی سے منع کرو۔(اسوۂ صحابہ)

اس تعلق سے سب سے اہم اور دلچسپ حضرت عمر کا وہ مکتوب ہے جو بیت المقدس یا فلسطین کے معاہدے سے مشہور ہے۔اور اس کا ذکر اس لئے بھی ضروری ہے کہ آج فلسطین میں عالمی امن کے نام نہاد ٹھیکیداروں کی ناک کے نیچے جو کچھ ہورہا ہے،اس کا تقابل حضرت عمر کے اس مکتوب سے کریں جو عالمی امن کا ایک عملی دستور رہ چکا ہے۔

سنہ ۱۶ھ میں بیت المقدس پر قابض عیسائیوں نے جب بیت المقدس کی چابیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیں تو اس موقعہ پر لکھے ہوئے معاہدے

کے الفاظ یوں ہیں۔

"هذا ما أعطى عبد الله عمر امير المؤمنين أهل ايلياء من الامان ،واعطاهم أمانا لأنفسهم وأموالهم ولكنائسهم وصلبانهم وسقيمها وبريها،انه لا يسكن كنائسهم ولا تهدم ،ولا ينقص منها ولا من حيزها ولا من صلبهم ولا من شيء من أموالهم ولا يكرهون على دينهم ولا يضار أحد منهم....... ولا يسكن بايلياء معهم أحد من اليهود۔" یہ وہ امان ہے جو خدا کے بندے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایلیاء کے باشندوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب ،تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کیلئے ہے، اس طرح پر کہ ان کے گرجا گھروں میں سکونت اختیار نہیں کی جائے گی، اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے، اور نہ ان کو یا ان کے احاطے کو کوئی نقصان پہونچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہونچایا جائے گا۔ اور ایلیاء میں ان (عیسائیوں) کے ساتھ یہودی بھی نہیں رہنے پائیں گے۔ (الفاروق ۲/ ۱۴۹۔ ۱۵۰)

اس طویل معاہدے کو یہاں نقل کرنے کے بجائے ہم نے اس کا صرف ایک حصہ نقل کرنے پر اکتفاء کیا، جس سے آپ کو قیام امن کیلئے اس معاہدے کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا۔

اسطرح سینکڑوں خطوط، خطبات اور معاہدے ہیں، جو حضرت عمر کی طرف منسوب ہیں، جن کا ایک رخ یہ ہے کہ وہ عربی زبان وادب کا شاہکار ہیں، اور دوسری طرف عالمی امن کے قیام اسکی تشکیل اور اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

☆☆☆

امن کا تصور قرآن اور حدیث کی روشنی میں

محمد اشرف (اسسٹنٹ پروفیسر ہسٹری)
ڈاکٹر محمد اسلم راتھر (اسسٹنٹ پروفیسر کمسٹری)

ہر انسان کا بنیادی مقصد اسکا اپنی زندگی میں چین اور سکون پانے کا ہوتا ہے جسکو پانے کے لئے وہ رات دن محنت کرتا ہے کوئی مادی اسباب و وسائل کے ذریعے سے اسے حاصل کرنے کی کوششیں کرتا ہے اور کوئی اسے خالص روحانی شاہرہ پر چل کر حاصل کرنا چاہتا ہے اس پس منظر میں انسان کی تاریخ ایسے افکار و نظریات سے متاثر رہی ہے جو ان دونوں انتہاوں پر انسان کو چلانے کی کوششیں کرتے آئے ہیں۔

دور جدید میں اس قسم کی تعلیمات کو پھلایا جا رہا ہے جو انسانوں کو ایک ایسی تہذیب کا دلدادہ بنا رہی ہے جو اسکے اخلاق جو ہر کو انسان کے اندر ہی دفن کرنے پر تلی ہوئی ہیں اور پھر اسکے برعکس اسکے اردگرد خواہشات کا ایک ایسا دلفریب جال بچھا چکی ہے جسکے طلسم میں گرفتار ہو کر صرف خواہشات اور آرزوں کی تکمیل میں لگا ہے صرف نفسانی خواہشات کی پیاس کو بجھا کر انفرادی اور اجتماعی سطح پر انسانوں کو بے چینی اور بے سکونی کی کیفیت میں مبتلا کر دیتی ہے بے چین ہونا انسان کی سب سے بڑی ناکامی ہے انسان چاہئے مادی اعتبار سے کیوں نہ کسی اعلیٰ میعار کا ہی ہو لیکن اگر چین سے خالی ہے تو دنیا کا سب سے زیادہ بدقسمت انسان ہے۔ انسانی تاریخ کا مطالعہ اور خود انسانوں کا تعصب سے بالا تر تجربہ کہتا ہے کہ اسلامی

تعلیمات کی بنیاد پر جو معاشرہ نبی کریم ﷺ نے تعمیر کیا تھا ویسا پر امن معاشرہ پوری تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتا۔

عربی ادب خصوصاً قرآن اور حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں باطنی اور انفرادی سکون کو ظاہری اور عالمی امن کے ساتھ جوڑا گیا ہے پوری عالم انسانی کی اصل اکائی بہرحال فرد ہی ہے اور اس اکائی کے داخلی سکون واطمینان کے بغیر عالمی امن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا انسان کے باطن پر خارج کے اثرات مرتب ہوتے ہیں اسی طرح انسان کا باطن بھی کائینات پر اثر انداز ہوتا ہے اور خارج کی وسعتوں اور پہنائیوں پر عکس ڈالتا ہے لہذا انسان کے باطن میں اگر سکون واطمینان ہوگا تو اسکا عکس کائینات پر بھی پڑے گا اور عالم امن کا قیام ممکن ہو سکے گا۔

اس تناظر میں قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں جس بات پر زور دیا ہے وہ ایمان ہے جسکا مادہ امن ہے اور جسکا اصل وہ سکون واطمینان ہے جو اسکی بدولت نفس انسانی میں پیدا ہوتا ہے

سورۃ انعام میں پہلے سوال کیا گیا ہے کہ

فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ امن کا اصل حق دار کون سا فریق ہے؟ (الانعام:81)

اور پھر جواب دیا گیا ہے کہ:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ۝

امن تو بس ان کے لئے ہے جو ایمان لائیں اور اس میں شرک کی کوئی آمیزش نہ کریں۔ (الانعام آیت نمبر 82)

پھر لازم ہے کہ انسان کی دنیاوی خواہشات ہر دم بڑھتی چلی جائیں اور وہ قول

وعمل کے جال میں پھنستا چلا جائے چنانچہ ایک طرف اسکا باطن مختلف اور متضاد خواہشات کے باہمی تصادم کی آماجگاہ ہے جسکے نتیجے میں داخلی انتشار پیدا ہوں اور نا کامیاں اور نارسائیاں مختلف قسم کی ناکامیوں کو جنم دیں اور انکے نتیجے میں انسان کا باطن ایک سلگتی ہوئی بھٹی بنا رہے اور دوسری جانب جہد البقاء اور اسکے نتیجے میں خدا کی زمیں فتنہ وفساد سے بھر جائے۔

اُس وقت ایمان ہی انسان کا سہارا بنتا ہے اور اس طوفان میں ایک رکاوٹ بنتا ہے اور انسان کو موت حساب و کتاب اور جزا وسزا کے حقائق کو اجاگر کر کے مناسب حدود کا پابند رہنے پر آمادہ کرتا ہے جیسے کہ سورۃ العلق میں بیان کیا گیا ہے۔

كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ

(کچھ نہیں انسان سرکشی پر آمادہ ہو ہی جاتا ہے اس لئے کہ پاتا ہے اپنے تئیں آزاد لازماً پروردگار کے پاس لوٹنا ہے (آیت 16 تا 18)

انسان کا باہمی میل جول اور ربط وتعلق سے پہلے خاندان پھر کُنبہ اور قبیلہ اور اس سے آگے بڑھ کر معاشرہ اور ریاست وجود میں آتی ہیں اور چونکہ یہ دُنیا چند معاشروں پر ہی مشتمل ہے اور امن عالم سے مُراد ان معاشروں اور ریاستوں کے مابین پُرامن ربط وتعلق کے سوا اور کچھ نہیں۔سائینس کی حیرت انگیز ترقی اور ذرائع آمد ورفت اور نقل وعمل میں بے پناہ اضافے کی وجہ سے دنیا کے ممالک ایک دوسرے سے بے حد قریب ہو گئے ہیں۔لیکن انسانوں کے دلوں میں فاصلہ بڑھتا ہی جارہا ہے تو اسکا جواب قرآن حکیم میں ملتا ہے قرآن کریم میں انسانوں کے مابین فرق وامتیاز کی تمام غلط بنیادوں اور عزت وشرف کے باطل پیمانوں کو نفی کر کے فرق وتمیز اور عزت وشرف کی واحد بنیاد واضح کر دی گئی ہے۔(5)

سورۃ الحجرات میں ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

(اے انسانو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عوت سے پیدا کیا اور تمہیں قبائل میں تقسیم کر دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔تم میں اللہ کے نزدیک عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔(آیت نمبر 13)

قرآن کریم نے واضح کر دیا کہ روئے زمیں پر جتنے بھی انسان بس رہے ہیں ،وہ سب خدا کی مخلوق ہیں اور آدم وحوا کی اولا دلہٰذا آپس میں بھائی بھائی ہیں یہاں یہ صاف بتایا گیا ہے کہ تمام انسان برابر ہیں ان میں اُونچ نیچ کا کوئی فرق نہیں ہے اور جب انسان کو یہ بات سمجھ میں آئے کہ ہم سب بھائی بھائی ہیں سب برابر ہیں تو ایسے ماحول میں لڑائی وجھگڑے اور فتنہ وفساد کی کوئی گنجائش نہیں رہتی ہے۔لیکن بسا اوقات لڑائی جھگڑے شروع ہوجاتے ہیں جس سے امن وامان کوزک پہنچتا ہے اس صورت حال میں قرآن کریم صبر و برداشت کی تلقین کرتا ہے جیسے قرآن میں متعدد بار آیا ہے کہ جوصبر کرتے ہیں،اللہ ان کے ساتھ ہے۔

چونکہ دنیا میں لوگ مختلف عقائد واعتقاد رکھتے ہیں مختلف سوچ وفکر رکھتے ہیں اور کبھی کبھار آپسی رسا کشی اور ٹکراو کا شکار ہوجاتے ہیں تو اس وقت بھی جہاں قرآن صبر کی تلقین کرتا ہے وہیں ان مختلف عقائید ونظریات کے لوگوں کے بیچ خلیج کم کرنے اور ایک دوسرے کے قریب لانے کی سعی کرتا ہے جیسے سورۃ االاعمران میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔

(کہ اے اہل کتاب آو اس بات کی طرف جوتم میں اور ہم میں یکساں ہے)(آیت نمبر 64)

اتنا ہی نہیں سورۃ الحُجرات میں آگے پھر ہدایات دی گئی ہیں اور ایسے تمام

افعال سے منع کیا گیا ہے جو سماج میں جھگڑا او دشمنی کا باعث نہیں چناچہ ایک طرف افواہوں کی روک تھام اور جھگڑوں کے فوری حل کی سخت تاکید کی گئی ہے اور دوسری طرف تمسخرا، استہزاء، تفاخر وتباہی، تجسس وتوازن اور غیبت وبدگوئی سے اجتناب کا بھی نہایت سختی کے ساتھ حکم دیا گیا ہے پوری سورۃ الحُجرات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن نے امن وسکون کو کس قدر اہمیت دی ہے اور بغض و نفرت کے تمام اسباب کا کتنی باریک بینی کے ساتھ سدِ باب کیا ہے۔

قرآن کریم نے شروع سے لے کے آخر تک ایسے تمام کاموں سے اجتناب کرنے کی ہدایات دی ہیں جن سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف پہنچے اور جن سے عدم واستحکام کی فضا پیدا ہو۔ اسی طرح قرآن کریم نے انسانی زندگی کو بہت اہمیت دی ہے اللہ رب العزت سورۃ مائدہ میں فرماتا ہے:

مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا

(جس کسی انسان نے بنا کسی وجہ کسی انسان کو مار دیا یا زمین پر فساد کرنے لگے اسکا گناہ ایسا ہے کہ جیسا اس نے ساری انسانیت کا قتل کر دیا اور جس کسی انسان نے کسی ایک کو بچایا اسکا کام ایسا جیسا اس نے ساری انسانیت کو بچایا۔ (مائدہ آیت 32)

جب قرآن ایک انسان کی زندگی کو اتنی اہمیت دیتا ہے بھلا وہ کتاب دہشت گردی کی تعلیم کیسے دے سکتی ہے۔ نہ صرف قرآن مجید بلکہ احادیث مبارکہ میں بھی آپسی بھائی چارہ اخوت اور رواداری پر زور دیا گیا ہے اور انسان کو ہر اس فعل سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے جو فتنہ وفساد اور آپسی کشمکش کا باعث بنے انسان کو ایسے کام کرنے کی سخت ہدایات دے گئی ہیں جن سے دوسرے انسان کو راحت نصیب ہو اور جو معاشرے میں امن وسکون کا باعث بنیں جیسے کہ صحیح مسلم میں آیا کہ نبی کریم

ﷺ نے فرمایا ''جسکی ایزا رسانی سے اسکے پڑوسی محفوظ نہ ہوں وہ جنت میں نہیں جائے گا'' (صحیح مُسلم، 172)

اسی طرح صحیح بخاری میں آیا ہے کہ بنی کریم ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے تب تک ایک شخص مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو'' (صحیح بخاری، 13)

اسی طرح صحیح مسلم میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہوں نہ کوئی ساز وسامان آپ نے فرمایا ''میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکاۃ لے کر آئے اور اسطرح آئے گا کہ وہ دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی کو بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا تو اسکی نیکیوں میں اسکو بھی دیا جائے گا اور اگر اس پر جو ذمہ ہے اسکی ادائیگی سے پہلے اسکی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور ان کے گناہ اُس کے حصے میں آجائیں گے پھر اِسکو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

قرآن وحدیث جہاں ایک دوسرے کی عزت واحترام اور پیار ومحبت کا درس دیتے ہیں وہیں وہ عدل وانصاف پر بھی زور دیتے ہیں کیونکہ عدل وانصاف کی عدم دستیابی سماج میں بگاڑ اور فتنے کا باعث بنتا ہے اللہ کا ارشاد ہے:

كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ

(اللہ کے علمبردار اور عدل وانصاف کے گواہ بن کر کھڑے ہو اور کسی گروہ کی عداوت تمہیں عدل وانصاف کی راہ سے ہٹا نہ پائے عدل سے کام لو اسکو پرہیز گاری سے زیادہ مناسب ہے (سورۃ المائدہ، 8)

نبی کریم ﷺ نے تعلیمات لوگوں کے سامنے عملاً پیش کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ

ایک ایسا معزز سماج وجود میں آیا جہاں اُونچ نیچ کے تمام دروازے بند ہو گئے جہاں عدل و انصاف قائم ہوا۔ جہاں لوگوں کو مساوی حقوق مل گئے اور جہاں لوگوں کو چین وسکون میسر ہوا۔

مختصراً قرآن وحدیث کا جب گہرائی اور غیر متعصّبانہ انداز سے مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث نے ہر اس کام سے روکا ہے جو انسانیت کے خلاف ہو اور ہر وہ کام کرنے کی تاکید ہے جس سے انسانیت فیض یاب ہو سکے اور جو امن وسکون کا باعث بنے لیکن المیہ یہ ہے کہ ان تعلیمات سے سب سے زیادہ بعید خود مسلمان ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی تذبذب میں مبتلا ہو گئے اور دوسرے لوگ بھی اسکا شکار ہو گئے اس لئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ان تعلیمات سے پہلے خود مسلمانوں کو روشناس کیا جائے اور پھر عالم انسانی میں انکی رہنمائی کو واضح کیا جائے۔

❖❖❖❖

اُردوسفرناموں میں عالمی امن اورانسان دوستی کا پیغام (آزادی کے بعد)

الطاف احمد
لیکچرراُردو
گورنمنٹ ہائراسکنڈری اسکول سزان ڈوڈہ، جموں وکشمیر
پن کوڈنمبر:۔182202
فون نمبر:۔09906063535

زبان آوازوں اورلفظوں کے مجموعے کا ایک ایسا نام ہے جوانسانوں کوآپس میں جوڑے رکھنے کا کام کرتی ہے۔کیوں کہ زبان کی مدد سے ہی انسان اپنے احساسات و جذبات کا اظہار کرتا ہے اور ادب کسی بھی زبان کی شستہ و شائستہ تحریروں کا نام ہے۔ادب کے بارے میں ایک بات ہمیشہ کہی جاتی ہے کہ ادب سماج کا آئینہ ہوتا ہے سماج میں جو کچھ وقوع پزیر ہوتا ہے ادب کے ذریعے ہی ہم تک پہنچتا ہے۔ادب کو اگر سماجی آگہی کا وسیلہ کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔ادب انسان کوزندگی کی حقیقتوں کی سیر کراتا ہے۔سماج میں جو کچھ اچھا یا برا، مناسب یا غیر مناسب، سچ یا جھوٹ، حق یا باطل پیش ہوتا ہے ادب اس کی ہو بہو عکاسی کر کے ایک عام قاری تک پہنچا دیتا ہے تا کہ وہ غور وفکر کر کے اس گتھی کوسلجھادے۔ادب کا کام سماج کوآئینہ دکھانے کا ہےاور پھر یہ سماج میں رہنے والے اشخاص کے ذمہ ہے

کہ وہ سماج کو کتنا بناتا اور سنوارتا ہے۔ دنیا میں اس وقت مختلف زبانیں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور ہر زبان میں ادب کی اشاعت ہو رہی ہے۔ زبانیں اگر چہ مختلف ہیں لیکن پیداوار ایک ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ زبانوں کی اس پیداوار کو ہی ادب کہا جاتا ہے۔ زبانوں میں سے ایک زبان اردو زبان ہے جو اپنے وسیع ولامحدود سرمائے کی بدولت دنیا کی بلند پایہ زبانوں میں شمار کی جاتی ہے۔ یہ نہ صرف زندہ و جاوید، دلکش و شیریں، خیر سگالی و اتحاد پسندی، رواداری اور انسانیت سے عبارت بھائی چارے کی زبان ہے بلکہ زبانوں کی تاجدار بھی ہے شاید اسی لئے پروفیسر گوپی چند نارنگ کو کہنا پڑا ''اردو، زبانوں کی تاج محل ہے۔'' زبان وادب کے عالمی امن میں کردار کے حوالے سے یہ بات کہنا چاہوں گا کہ ایک ادیب کی لکھی ہوئی تحریر اس کی دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آواز ہوتی ہے۔ کیوں کہ پہلے ہی بیان ہوا کہ زبان احساسات وجذبات کے اظہار کا نام ہے چوں کہ ایک ادیب امن کا پجاری ہوتا ہے۔ اس میں انسان دوستی، رواداری، جذبہ اتحاد، قوت برداشت کا جزبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہوتا ہے اس لئے مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ دنیا کا سب سے امن پسند انسان بھی ایک ادیب وشاعر ہے جسے ہر وقت یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ کس طرح دنیا کے تمام انسان امن وآشتی سے رہیں۔ جس کی مثال اردو زبان کے ان چند اشعار میں دیکھنے کو ملے گی۔

تمام دھرتی پے بارود بچھ چکی ہے خدا
دعا زمیں کہیں دے تو گھر بناؤں میں
زمیں کو اے خدا وہ زلزلہ دے
نشاں تک سرحدوں کے جو مٹا دے
محبت میں بدل جائے سیاست
خدا لاہور دلی سے ملا دے

نہ ہندو بنے گا نہ مسلمان بنے گا
انسان کی اولاد ہے انسان بنے گا
بہتر ہے کہ نہ ڈالو ستاروں پے کمندیں
انسان کی خبر لو کہ وہ دم توڑ رہا ہے
اور کچھ کرتے نہ کرتے اے کاش امینؔ
بن کے انسان ہی یہاں رہتے انسان کی طرح
اس سے پہلے کہ تم انسان بنو
لوگو ہندو نہ مسلمان بنو

درج بالا اشعار کا اگر چہ میرے موضوع کے حوالے سے کوئی تعلق نہیں ہے تاہم ان سے میرے موضوع کو تقویت ملے گی۔خیر اب میں اپنے موضوع کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

میرے مقالے کا عنوان ''عالمی امن میں اردو سفر ناموں کا کردار'' ہے۔اس موضوع کے حوالے سے دو الفاظ کی تشریح کرنا ضروری سمجھوں گا۔
ا۔عالمی امن ۲۔اردوسفرنامہ

عالمی امن سے مراد عالم میں ایک ایسی کیفیت کی تشکیل ہے جہاں تمام افراد کے معاملات و واقعات معمول کے ساتھ بغیر کسی تشدد اور اختلاف کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچیں کیوں کہ امن سے مراد کسی معاشرے میں تشدد کی غیر موجودگی کا نام ہے ۔یہ ایک ایسی کیفیت ہے جہاں معاشرے کے تمام افراد کو سماجی ،معاشی، مساوات اور سیاسی حقوق وتحفظ حاصل ہوتے ہیں۔اور اس کی غیر موجودگی سماج میں بگاڑ کا باعث ہوسکتی ہے۔یہاں سے یہ بات روشن ہوگئی کہ عالم میں امن کا قیام کس حد تک ضروری ہے۔
سفرنامہ کی تعریف کرنا بھی اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کیوں کہ ابھی تک بیشتر

طلبہ و طالبات اس صنف سے ناواقف ہیں۔سفر نامہ ایک ایسی بیانیہ صنف ادب کا نام ہے جس میں ایک سیاح اپنے سفر کے دوران کے حالات و واقعات کو تحریری صورت میں پیش کرتا ہے۔میں اسے ایک ایسی صنف سمجھتا ہوں جس میں ایک مسافر اپنی زبان میں متعلقہ ملک کی جس کا وہ سفر کر رہا ہوتا ہے تہذیب و معاشرت کو بیان کرتا ہے اور اپنے ملک کی عوام کو اپنے مثبت یا منفی تاثرات سے غائبانہ طور پر اس ملک کا عاشق یا حاسد بنا دیتا ہے۔سفر کے مقاصد میں ایک یہ بھی شامل ہے کہ دو ملکوں کے درمیان صلح کرائی جائے اس لئے سفر نامہ نگاروں نے زیادہ تر اپنے سفر ناموں میں اس طرح اپنے احساسات کا اظہار کیا ہے کہ دو ملکوں کے درمیان صلح کا باعث ہو۔شاید اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے سفر نامہ کو دو ملکوں کے درمیان میں پل سے تعبیر کیا گیا ہے۔آیئے اب دیکھیں کس طرح سے اردو زبان کے ان سفر نامہ نگاروں نے عالمی امن میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔

۱۹۴۵ء کے بعد دوسری عالمی جنگ کی تباہ کاریوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اقوام متحدہ کا قیام عمل میں لایا گیا جس کا مقصد دنیا میں امن اور تحافظ کا قیام تھا لیکن اسی سال امریکہ نے جاپان پر ایٹم گرا کر نہ صرف دنیا کے ترقی یافتہ developed nations ممالک کو arms race میں لگا دیا بلکہ ترقی پزیر ممالک بھی اس دوڑ میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔اب دنیا ایک ایسے مقام پر کھڑی ہے کہ اگر ایک اور جنگ ہوتی ہے تو پوری دنیا تباہ و برباد ہو سکتی ہے۔اردو کے سفر نامہ نگاروں نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے انہیں یہ جنگ و جدل اور ایٹمی دنیا میں انسانوں کی تباہ کاری کے سوا کچھ نظر نہیں آتا ہے۔اور ایسے میں اگر انہیں کوئی آواز متاثر کرتی ہے تو وہ ہے امن کی آواز جس میں ابدیت ہے جو نہ صرف اپسی دوستی اور رواداری کو فروغ دے گی بلکہ قوموں کی ترقی اور خوشحالی کی بھی ضمانت ہے۔کشمیری لال ذاکر اپنے سفر نامہ ''یہ صبح زندہ رہے گی'' میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے

ہیں:۔

''گولی کی آواز ہمیشہ مر جاتی ہے ۔صرف ایک ہی آواز کو ابدیت حاصل ہوتی ہے اور وہ ہے امن کی آواز اور اس آواز کا خالق وہی شخص ہوتا ہے جو الفاظ کو جوڑ جوڑ کر دھیرے دھیرے اپنی بات کہتا ہے ۔چیختا ہے مگر دھاڑتا نہیں۔''

(یہ صبح زندہ رہے گی، کشمیری لال ذاکر،ص ۲۱)

ابنِ انشاء کا شمار اردو کے اہم سفر نامہ نگاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے یکے بعد دیگرے کئی سفر نامے لکھ کر اردو سفر نامہ نگاری کی تاریخ کو فروغ دیا ہے ۔ابن انشاء ایک مزاح نگار ہیں اس لئے انہوں نے اپنے مزاحیہ انداز میں ایسی ایسی باتوں کو پیش کیا ہے جو قابلِ اصلاح تھیں ۔ان کے سفر ناموں میں بھی عالمی امن کی آواز سنائی دیتی ہے ۔وہ اپنے سفر ناموں کے زریعے انسان دوستی، رواداری، اتحاد ،خیر سگالی اور عدم تشدد کا درس دیتے ہیں ۔اور اس کے لئے انہوں نے طنز ومزاح کا سہارا لیا ہے ۔ان کا یہ اقتباس انسان کا انسانیت کے درجے سے گرنے اور اپسی رنجش وتشکیک کو پیش کرتا ہے:۔

''اس زمانے میں سفر کا ایک لطف یہ بھی تھا کہ نور کے تڑکے کسی نئے شہر کے دروازے پر پہنچ اور وہاں کا بادشاہ لاولد مرا تو لوگ پکڑ کر سر پر تاج بھی رکھ دیا کرتے تھے ۔۔۔۔۔۔۔اب تو شہر کا دروازہ کھولنے سے پہلے ویزا دیکھتے ہیں، ہیلتھ سرٹیفیکٹ کا پوچھتے ہیں ۔مسافر کا بقچہ کھولتے ہیں کہ پیش کر غافل کوئی عمل اگر دفتر میں ہے۔''

(نگری نگری پھرا مسافر، ابنِ انشا،ص ۲۷)

انہیں انسان انسانیت کی معراج سے اس قدر گرا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ انہیں وہ جانوروں سے بھی بدتر اور زلیل تر دکھائی دیتا ہے ۔اور اس کی وجہ انسان کا انسان کو

بدتر سمجھنا اور اس کا استحصال کرنے کو قرار دیتے ہیں ۔اور یہ ایک حقیقت بھی ہے موجودہ دور جس میں ہم اور آپ رہ رہے ہیں لالچ اور خودغرضی کا دور ہے ۔یہاں انسان اپنے منافع کے لئے دوسروں پر ظلم کرتا ہے ۔دوسروں کے ہاتھوں سے نوالے چھین کر اپنا اور اپنے اہلِ خانہ کا پیٹ بھرتا ہے اور ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ جانور بھی اسے دیکھ کر شرماتے ہیں ۔ابنِ انشاء اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''یہ سچ ہے کہ بعض لوگوں کو اس شجرے کے صحیح ہونے میں شک ہے ۔۔۔۔۔۔۔لیکن بندر تو قریب قریب سب کے سب ڈارون کی اس تحقیق پر ناخوش اور نارض ہوں گے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ کہتے ہیں کہ یہ ہماری اولاد ہوتی تو ایسی چھچھوری حرکتیں کبھی نہ کرتی ۔بندروں میں نابرابری اور استحصال کہیں نہ ملے گا۔''

(نگری نگری پھرا مسافر،ابنِ انشاء،ص ۱۶۲)

ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمائیں اگر ابنِ انشاء کے اس ایک اقتباس پر توجہ کی جائے تو دنیا میں امن قائم ہونے میں دیر نہیں لگتی:۔

''زمانہ شجاعت کی اکثر کہانیاں اور وارداتیں جھوٹ سہی لیکن باتیں کتنی اچھی تھیں ۔جنگجو لوگ پہلے مخالف کو وار کرنے کی دعوت دیتے تھے کہ پہلے آپ وہ بھی نسب کا اصیل ہوتا تھا پہلے آپ سے جواب دیتا تھا۔۔۔۔۔۔ آج کے لوگوں سے آپ یہ توقع کر سکتے ہیں کہ طبل جنگ بج رہا ہو اقوام متحدہ کے سبھی ممبران چھتریاں لگائے کالے چشمے پہلے تھرماس کندھے سے لٹکائے ہمہ تن استیاق کھڑے ہیں اور امریکہ اور روس اپنے ہاتھوں میں ہائڈروجن بمب لئے آمنے سامنے کھڑے تکلف کر رہے ہیں اجی پہلے آپ،اجی پہلے آپ۔'' (نگری نگری پھرا مسافر،ابنِ انشاء،ص ۲۰۵)

عصرِ حاضر میں ہی نہیں بلکہ صدیوں سے مذہب کو بنیاد بنا کر لوگوں کا قتل عام کیا جاتا ہے۔دنیا کے کونے کونے سے آئے دن یہ خبریں نشر ہوتی ہیں کہ فلاں مذہب کے آدمی کو فلاں مذہب کے آدمی نے قتل کر دیا اس کی کیا وجہ ہے۔انسان کا مذہب اس کا اپنا انفرادی عمل ہے جس پر کوئی کسی کو رکاوٹ نہیں ڈال سکتا ہے یہاں تک کی مذہب کی کتابوں میں بھی اس کی طرف اشارے کئے گئے ہیں۔ اسلام میں جہاں اپنے مذہب پر چلنے کی تلقین کی گئی ہے وہیں دوسروں کے مذہب کا احترام کرنے کو بھی کہا گیا ہے۔ہمسائے کے بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔اگر مذہب کی کتابوں میں مذہب کے نام پر لڑنے، کسی پر ظلم وستم کرنے، کسی کا حق تلف کرنے سے منع کیا گیا ہے تو پھر لوگ اس طرح مذہب کے نام پر کیوں مر مٹ رہے ہیں۔مجتبیٰ حسین جاپان کے سفر پر ہیں اور وہاں ان کو ہیروشی ایما مورا کے گھر دعوت پر جانا ہوا وہاں انہوں نے جو منظر دیکھا اور قاری کو دکھایا ہے اگر اس طرح کی صورت حال پیدا کی جائے تو مذہب کے نام پر جو آئے دن فسادات ہوتے ہیں وہ جھگڑا کسی حد تک کم ہو سکتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:۔

''ان سے میں نے پوچھا'' آپ کا مذہب کیا ہے'' بولے عیسائی ہوں۔ان کی بیوی کے مذہب کے بارے میں پوچھا تو اپنی اہلیہ کو باورچی خانہ سے طلب کر کے پوچھا'' تمہارا مذہب کیا ہے'' ہماری جستجو اور بے تکے سوالات کے باعث مسٹر ایما مورا کو پہلی بار پتہ چلا کہ ان کی اہلیہ محترمہ کا مذہب کیا ہے۔اگر ہم ان کے گھر نہ جاتے تو اپنی گھریلو زندگی کے بارے میں ان کی معلومات میں اتنا اضافہ کیونکر ہوتا۔۔۔۔۔۔۔ان کے ہاں ایک نوجوان لڑکی بیٹھی ہوئی تھی ان سے پوچھا کہ اُس کا مذہب کیا ہے۔اس نے اچانک اپنی بائیں آنکھ کی پتلی کو نیچے کیا اور دائیں آنکھ کی پتلی کو اوپر لے جا

کرسوچنا شروع کیا۔۔۔۔۔۔۔بولی۔عجیب سوال ہے میں نے ابھی اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔جب مذہب کی ضرورت لاحق ہوگی تب سوچا جائے گا۔''

(جاپان چلو جاپان چلو،مجتبیٰ حسین،ص ۹۱۔۹۲)

اس اقتباس کے زریعے مجتبیٰ حسین اصل میں یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ کس طرح ایک ہی چھت کے نیچے بسنے والے لوگ مذہب کے مسلے سے بیگانے ہوکر اپنی زندگی گزارر ہے ہیں۔اسی کو انہوں نے جاپان کی ترقی اور خوشحالی کی دلیل کہا ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ مذہب کے نام پر جن جن مما لک میں آئے دن فسادات ہوتے ہیں ان کی ترقی کے آثار بہت کم ہیں۔اس طرح کے واقعات بیان کر کے سفر نامہ نگاروں نے اپنے سفر ناموں میں کئی اوراق سیاہ کئے ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ قاری کو اس طرح کی باتیں بتا کر ان میں اس طرح کے جذبات کو پیدا کیا جائے جن سے دنیا میں امن وآشتی،سکون اور خوشحالی کی فضا قائم ہو۔ایسا ہی ایک اقتباس جمیل زبیری نے جن کا تعلق پاکستان سے ہے ہندوستان کے سفر کے دوران نقل کیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں:۔

''وہاں مسلمانوں کو کوئی دن رات ان کے فرائض یاد نہیں دلاتا۔وہاں کسی ہندو کو پوجا پاٹ کرنے کی تلقین نہیں کی جاتی۔وہاں کسی سکھ سے یہ نہیں کہا جاتا کہ تمہارے مذہب میں داڑھی رکھنا،کڑا پہننا اور کیس بڑھانا فرض ہے۔وہاں کوئی کسی ڈیوڈ کو نہیں ڈانٹتا کہ تم اتوار کو گرجا کیوں نہیں جاتے۔''

(موسموں کا عکس،جمیل زبیری،ص ۹۲۔۹۳)

عصرِ حاضر میں پوری دنیا میں کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ مذہب کے نام پر مختلف فسادات ہوتے رہتے ہیں۔چاہئے پھر وہ نیپال سے مسلمانوں کی زبردستی نقل مقانی ہو،برما میں مسلمانوں کا قتل وعام ہو اور وہاں ایک ایسا ملک قائم

کرنے کا ارادہ ہو جو مسلمانوں سے خالی ہو،فلسطین میں مسلم عوام پر ظلم وستم کی بات ہو،، یا ہندوستان میں لو جہاد ، بابری مسجد ، دادری کیس ، گجرات میں مسلمانوں کی کھلم کھلم قتل وغارت ، کشمیر میں پنڈتوں کی ہجرت کا مسلہ ہو یا سکھوں کا قتل وعام ہو اس طرح کی خبیریں روز بہ روز سننے کو ملتی ہیں۔ یہ تمام عناصر دنیا میں انسانیت کو دیمک بن کر نگل رہی ہیں۔ اور عالمی سطح پر امن ،ترقی اور خوشحالی میں رکاوٹ کا باعث بنتی جارہی ہیں۔ ہمارے اردو سفر نامہ نگاروں نے اس طرح کے مسائل کی عالمی سطح پر تردید کی ہے اور دنیا میں امن و امان قائم کرنے پر زور دیا ہے۔تاکہ انسانیت پھر سے انسان میں جاگ اٹھے اور عالمی رواداری اور بھائی چارہ قائم ہو۔ڈاکٹر تنویر احمد علوی اپنے سفر پاکستان کے دوران اس طرح رقمطراز ہیں:۔

''لاہور کی سیر کرنے والا یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہیکہ پاکستانیوں نے اس شہر میں رہتے ہوئے جو ہندوؤں اور سکوں سے بالکل خالی ہو چکا ہے کبھی انفرادی یا اجتماعی طور پر یہ کوشش نہیں کی کہ وہ اپنے مکانوں اور دکانوں سے گلیوں اور محلوں سے ،سڑکوں اور بازاروں سے سکوں اور ہندوؤں کے نام و نشان مٹادیں۔کرشن نگر اب تک کرشن نگر ہے،گنگا رام اسپتال ہنوز گنگا رام اسپتال ہے اور بخشی رام مارکیٹ اس وقت بھی بخشی رام مارکیٹ ہے۔''

(سیر وسفر،سفر نامہ لاہور وحیدرآباد،ڈاکٹر تنویر احمد علوی،ص ۹۲)

سفر نامہ ایک ایسی صنفِ ادب ہے جس کا مقصد ہی دو ملکوں کے درمیان صلاح اور امن کو قائم کرنا ہے۔ یہ سب کچھ ایک ادیب پر منحصر ہے کہ وہ کس طرح اپنے اس مقصد کو پیش کرتا ہے۔اردو میں بہت سے سفر نامہ نگار ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنے سفر ناموں کے زریعے اپنے اس مقصد کو برتنے سے کوتاہی کی اور ان کی تخلیقات تعصب اور تنگ نظری جیسی اصطلاحات سے عبارت کی جاتی ہے۔اس طرح اگر چہ وہ سفر نامہ نگاروں کی صف میں کھڑے ہو گئے مگر وہ مقام و مرتبہ نہیں

پیدا کر سکے جو بہت سے سفر نامہ نگاروں کو حاصل ہے۔سفر نامہ نگار کو چاہئے کہ اپنے سفر کے دوران جو جو منفی تجربات پیش آئیں ان کو نظر انداز کرتے ہوئے مثبت پہلوؤں کو پیش کرے تا کہ پڑھنے والے کو لگے کہ واقع جس ملک کا سفر نامہ نگار نے سفر کیا ہے وہاں کے لوگوں کے خصائل ہم سے اچھے ہیں اور وہ بھی اس طرح بننے کی کوشش کریں۔اردو کے بہت سے سفر نامہ نگاروں نے جہاں جہاں کا سفر کیا وہاں کی محبت، ہمدردیاں انہوں نے اپنے قلم کے ذریعے تصویروں کی صورت میں اتار دی ہیں۔ڈاکٹر کیول دھیر ہندوستان کے رہنے والے ہیں انہیں پاکستان میں جو ہمدردیاں،خلوص اور محبت ملتی ہے وہ اس کا اظہار اس طرح سے کرتے ہیں:۔

''میں نے شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ میں اجنبی نہیں ہوں،مہمان بھی نہیں ہوں۔جیسے اس گھر کا فرد ہوں۔بشریٰ کی ہر بات میں پیار تھا،اپنے پن کا احساس تھا۔''

(خوشبو کا سفر،ڈاکٹر کیوہ دھیر،ص ۴۲)

اور مجتبیٰ حسین اس پیار و محبت کو ایک ایسی شے تصور کرتے ہیں جسے سرحدوں پر کسٹم ڈیوٹی سے مفت پاتے ہیں:۔

''یوں بھی ٹوکیو میں ہمیں جاپانیوں کی محبت اور خلوص کے سوا کچھ نہیں خریدنا تھا کیوں کہ یہی وہ شے ہے جس پر وطن عزیز میں کسٹم والے کوئی ڈیوٹی نہیں لگاتے۔''

(جاپان چلو جاپان چلو،مجتبیٰ حسین،ص۹۹)

رفعت سروش اپنے سفر پاکستان کے دوران اس طرح رقمطراز ہیں:۔

''میرے کرم فرماؤں نے مجھے محبت اور خلوص کے آب حیات میں نہلا دیا۔کوئی صبح ایسی نہ تھی جو احباب کی محبت کی خوشبو کے بغیر طلوع ہوئی ہو اور کوئی شام ایسی نہ تھی جب قدردانوں اور خلوص نے میرے گلے میں باہیں

نہ ڈالی ہوں۔''

(یادوں کے چاند ستارے، رفعت سروش، ص ۷)

ان اقتباسات کو یہاں پیش کرنے کا یہ مقصد ہے کہ بتایا جائے کس طرح دنیا کے مختلف مما لک کے سفر کے دوران سفر نامہ نگاروں نے محبت وخلوص کو وہاں کی قیمتی شے سمجھ کر خرید کے لایا ہے۔ یہ اقتباسات ان سیاست دانوں، انسانیت کے دشمنوں، فسطائی طاقتوں کے رہبرو، کٹر پنتیوں کے مہہ میں کیچڑ بھر دینے کے لئے کافی ہیں جو اپنے اشتعال انگیز بیانوں کے زریعے انسانوں کو تقسیم کر کے ان میں پھوٹ پیدا کرتے ہیں۔ انسان کی محبت وخلوص کی تقسیم سرحدوں پر بڑی بڑی تاریں اور اور ان کے اندر بجلی کی کرنٹ پیدا کرنے سے نہیں کی جا سکتی۔ ان سرحدوں کے پیدا کرنے سے اگر چہ وقتی طور پر ایک دوسرے کو دور رکھا جا سکتا ہے لیکن ان کی روحیں آپس میں اتنی ہی قریب ہوتی رہیں گی جتنا ان میں آپ دوری پیدا کرنا چاہو گے۔ کشمیری لال ذاکر کا شمار اردو کے اچھے افسانہ اور ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کی پیدائش پاکستان میں ہوئی وہاں کی مٹی سے انہیں اس قدر جذباتی لگاؤ ہے کہ تقسیم کے بعد بھی اس لگاؤ میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ انسان کو انسانوں سے وقتی طور پر جدا کیا جا سکتا ہے لیکن دائمی طور پر اس کے اندر موجود محبت، خلوص کو شکست نہیں دی جا سکتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں یہ اقتباس:۔

''دل تو میرا بھی چاہتا ہے کہ میں پاکستان جاؤں اور ان جگہوں کو دوبارہ دیکھو جن سے میری جذباتی وابستگی تھی اور ان دوستوں سے ملوں جن کے ساتھ میں نے لکھنا شروع کیا۔''

(یہ صبح زندہ رہے گی، کشمیری لال ذاکر، ص ۲۳)

تقسیم کا سانحہ ہندوستان کی تاریخ میں وہ سیاہ اور بدنما داغ ہے جس کا ذکر اردو

ادب ہی نہیں دنیا کی مختلف زبانوں میں موجود ہے ۔اس تقسیم نے نہ صرف ہندوستان کو زمینی سطح پر دوحصوں میں تقسیم کیا بلکہ یہاں کی عوام کو بھی تقسیم کر دیا ۔اردو میں اس کا تذکرہ منٹو ،عصمت ،کرشن چندر ،قرۃ العین حیدر ،انتظار حسین ،وغیرہ نے کیا ہے ۔اردو کے سفر نامہ نگاروں نے تقسیم کے اس سانحے کی تردید کی ہے اور اسے ایک انسانیت سوز مسلے سے تعبیر کیا ہے کیوں کہ اس تقسیم نے دونوں طرف ایک وحشت کا عالم برپا کر دیا تھا ۔لوگوں کا قتل و عام ،عصمت دری ،نقل مقانی کی داستان ان سفر نامہ نگاروں نے اس طرح بیان کی ہے کہ وہ نہ صرف خود روئے بلکہ قاری کو بھی اپنے ساتھ رولاتے ہیں ۔اس مسلے نے اس وقت ایک عالمی مسلے کی صورت اختیار کر لی ہے جس نے کئی دوسرے مسلوں کو جنم دیا ہے ۔جن میں مسلہ کشمیر اسی تقسیم کے مسلے کی دین ہے جس نے عالمی سطح پر امن کو بگاڑ کے رکھ دیا ہے ۔اس تقسیم کے مسلے کی تردید کرتے ہوئے کشمیری لال ذاکر اپنے سفر نامہ ''یہ صبح زندہ رہے گی''میں یوں رقمطراز ہیں:۔

''یہ جو تقسیم کا اتنا بڑا المیہ تھا اس کا باعث تو یہی تو تھا جس نے جو کہہ دیا دوسروں نے سچ مان لیا ۔تجزیہ کرنے والا کون تھا ؟ کوئی نہیں تھا ۔سب بھکاوے میں آنے کو تیار تھے ۔بات بڑھتی گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ رات کی رات میں صدیوں کے پڑوسی مرنے مارنے پر تیار ہو گئے ۔۔۔۔۔۔گھر خالی ہو گئے، آنگن اجڑ گئے ،چھتیں ویران ہو گئی ،کھیت جل گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک پورا ملک تلوار کی دھار سے کٹ گیا۔''

(کشمیری لال ذاکر، یہ صبح زندہ رہے گی ،ص ۱۸)

عبدل الماجد دریابادی اپنے سفر نامے ''ڈھائی ہفتے پاکستان میں'' میں اس تقسیم سے ہوئے دونوں طرف قتل و عام ،ظلم و جبر ،عصمت دری کا اظہار اس طرح

کرتے ہیں:۔

''کتنے معصوم بچوں اور بچیوں کا معصوم خون اس سرزمین مین جذب ہوا ہوگا۔ کتنے بوڑھے اور بوڑھیوں کے لاشے اس علاقے میں تڑپ تڑپ کر سرد ہوئے ہوں گے۔ کتنی عصمتیں دن دہاڑے بیدردی سے لٹی ہوں گی۔''

(عبدالماجد دریابادی، ڈھائی ہفتے پاکستان میں، ص ۱۳)

ہندوستان اور پاکستان ایک ہی ماں کے دو گمشدہ بچے ہیں۔ جو انجانے میں ایک دوسرے سے بچھڑ گئے ہیں۔ دونوں ملکوں کی تہذیبیں ایک ہیں، سماجی قدریں ایک ہیں، بولی ایک ہے، دونوں ملکوں کے رہن سہن، رسم و رواج ایک ہیں، دونوں ملکوں میں ایک دوسرے کے عزیز بستے ہیں جو ایک دوسرے سے ملنے کے اشتیاق میں اس جہاں سے رخصت ہو گئے لیکن اس کے باوجود دونوں ملکوں کے درمیان ایک سرحد کے کھینچ جانے سے ان میں اس قدر دوری بڑھ گئی کہ لندن اور نیو یارک کے سفر کرنا آسان مگر ان ملکوں کی سرحدوں کو عبور کرنا بہت مشکل ہے۔ یہاں تک کہ اب پرندوں کو بھی سرحدوں کے پار کرنے پر شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اردو کے سفر نامہ نگاروں نے سرحدوں کی مخالفت کی ہے۔ کیوں کہ ان سرحدوں پر کھڑے دو سپاہیوں کی وجہ سے ملکوں کے درمیان اس قدر دوری پیدا ہو گئی ہے کہ آگ پر گزرنا آسان ہوتا ہے لیکن سرحدوں پر سے بغیر ویزا اور پاسپورٹ کے نکلنا بہت مشکل۔ صالحہ عابد حسین اس حوالے سے امن کا پیغام دیتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:۔

''کیا کوئی دن آئے گا میری زندگی میں نہ سہی بعد میں ہی آئے۔ جب ہم دو ملک ہوتے ہوئے بھی دلوں سے نفرت بالکل باہر نکال دیں گے۔ تعصب کی جگہ خلوص اور اعتماد لے گا۔ الفت زمیں کے ٹکڑوں سے

نہیں اس کے باسیوں سے ہوتی ہے۔''

(صالحہ عابد حسین، سفر زندگی کے لئے سوز وساز)

انسان کو اللہ نے اشرف المخلوق بنایا ہے۔شعور، احساس اور ادراک ایسی تین چیزیں ہیں جو اسے جانوروں سے الگ کرتی ہیں۔اس کے اندر خیر اور شر دونوں کا مادہ رکھا گیا ہے۔شر سے بچنے کے لئے اسے دوزخ یا نرخ کا خوف رکھا گیا ہے اور اچھائی کا بدل جنت ہے۔اب انسان کیا کرتا ہے یہ اس پر منحصر ہے۔انسان کی پیدائش سے لے کر آج تک فسادات کا سلسلہ جاری ہے۔یہاں تک کہ دنیا کا پہلا فساد پیغمبروں کی اولادوں کے درمیان ایک عورت پر ہوا۔شاید ہابیل اور قابیل کا واقع آپ نے پڑھا ہوگا۔دنیا میں مختلف طرح کے مسلوں کو بنیاد بنا کر عالمی امن و بھائی چارے کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔جن میں مذہبی، سیاسی، خواتین کے ساتھ بنا برابری، تعصب و تنگ نظری عالمی دہشت گردی، فرقہ پرستی اور نسلی تعصب وغیرہ اہم ہیں۔سائینس، ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ کے زیرِ اثر دنیا جس قدر نزدیک آتی جا رہے ہے اور global village کی صورت اختیار کر رہی ہیں۔اسی قدر ان مسائل کی وجہ سے دوریاں بڑھ رہی ہیں۔نسلی تعصب کا مسلہ اس قدر شدت اختیار کر چکا ہے کہ عالم میں اس سے امن پر منفی اثرات پڑھ رہے ہیں۔حال ہی میں دہلی کے قطب مینار کے آس پاس کی بستیوں میں بسنے والے افریقی حبشیوں پر لوگوں کے تیئں تعصب اور تنگ نظری کا مسلہ پیش آیا جس میں انھوں نے یہ شکایت کی تھی کہ جب وہ بازاروں میں نکلتے ہیں تو لوگ ان کا رنگ دیکھ کر ان پر طرح طرح کے تعنے کستے ہیں۔ایک افریقی حبشی نے یہاں تک کہا تھا کہ ''میرے پاس سے ایک عورت گزر رہی تھی اس کی بچی رو رہی تھی تو اس نے میرا کالا رنگ دیکھ کر اسے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ابھی اس کے حوالے کر دوں گی''۔اس پر افریقہ کی طرف سے کافی لے دے ہوئی تھی اور پھر بھارت کو

انہیں یقین دلانا پڑا کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ کیوں کہ بھارت اگر اس مسلے پر غور نہیں کرتا تو شاید افریقہ میں بسنے والے بھارتیوں پر بھی منفی اثر پڑ سکتا تھا۔اور اس طرح سے دونوں ملکوں کے درمیان خوش گوار تعلقات پر لفظ آ سکتا ہے۔اردو کے سفر نامہ نگاروں نے بھی اس مسلے کو اپنے سفر ناموں میں ابھارا ہے اور اس طرح کا تعصب کرنے والے مما لک کو بے نقاب کیا ہے جو رنگ کے نام پر، نسل کے نام پر، فرقوں کے نام میں انسانوں میں تقسیم کر کے ان کے اندر پھوٹ کو جنم دیتے ہیں۔ سید احتشام حسین کے اپنے سفر نامہ ''ساحد اور سمندر'' میں اس مسلے کو یوں بیان کیا ہے:۔

''جس شخص کو بھی امریکہ کے متعلق غور کرنے یا پڑھنے یا جا کر اپنی آنکھوں سے وہاں کے حالات دیکھنے کا موقع ملا وہ حبشیوں لیکن مسلے کو نظر انداز نہیں کر سکتا ہے کیوں کہ یہ امریکہ کے دامن پر ایک ایسا دھبہ ہے جو ہر وقت صاف نظر آتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔وہ علم وفضل، موسیقی اور اداکاری، ادب اور فن میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں لیکن نسلی امتیاز کے اندھے تصورات نے انہیں زلیل بنا رکھا ہے۔بعض علاقوں میں ان کے اسپتالوں، اسکلوں اور کالج، محلے اور گاؤں بالکل الگ ہیں اور ان سے نفرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔''

(سید احتشام حسین، ساحل اور سمندر، ص ۳۶۰)

زبان اظہار بیان کا ایک بہترین وسیلہ ہے۔زبانیں اپنی تاثیر، اپنی شیرینی، اپنی دلکشی اور جاذبیت کی بدولت پہچان بناتی ہیں۔زبانوں کو بنیاد بنا کر بھی عالمی امن کو بگاڑنے کی کوشش کی گی۔ ۱۹۴۷ کے بعد راتوں رات ہندوستان سے اردو زبان کو اس کے سرکاری زبان سے گرا دینا اور اس کی جگہ ہندی کو سرکاری زبان قرار دینا اس کا ایک اہم ثبوت ہے۔یہاں تک کہ ۱۹۵۶ میں ہندوستان میں پہلی

ریاست کی تقسیم بھی اسی زبان کے مسلے کی وجہ سے عمل میں آئی ۔اردو زبان اس وقت دنیا کی ان گنی چنی زبانوں میں شمار ہوتی ہے جو اپنی بین القوامی پہچان بنا چکی ہے۔اس کے بولنے والے دنیا کے مختلف مما لک میں پائے جاتے ۔اس کا ثبوت اردو کی وہ نئی بستیاں ہیں جہاں سے اردو کے اخبار، رسائل و جرائد شایع ہوتے رہتے ہیں۔مجتبیٰ حسین کو جاپان کے سفر کے دوران وہاں کے ایک ریڈیو اسٹیشن پر جانے کا اتفاق ہوا ۔وہاں کے انچارج کو طوطی کی طرح اردو زبان میں بات کرتے ہوئے پا کر اس کے متعلق سوال کرتے ہیں تو اس انچارج کا جواب تھا وہ سنہرے حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔اگر اس طرح کی پالیسی اپنائی جائے تو زبانوں کو بنیاد بنا کر جو آئے دن فسادات ہوتے رہتے ہیں وہ جھگڑا کسی حد تک ختم ہو جاتا۔ملاحظہ فرمائیں یہ اقتباس:۔

> ''قبلہ یہ اردو اور ہندی کے جھگڑے آپ کے ملک کو مبارک ہوں ۔ہمیں ان جھگڑوں سے کیا لینا دینا۔۔۔۔۔ہم جاپانی کاروباری آدمی ٹھہرے۔ ہم نے دل میں سوچا کہ اے کاش ہمارے ملک میں بھی لوگ زبانوں کے معاملے میں کم از کم اتنے ہی کاروباری ہوتے تو ہندی اور اردو کا جھگڑا نہ ہوتا۔''

(مجتبیٰ حسین، جاپان چلو جاپان چلو،ص۴۹۔۵۰)

مختصراً اردو کے سفر نامہ نگاروں نے اپنی تخلیقات میں انسان دوستی، عالمی امن ، بھائی چارے ، بین القوامی اتحاد کا درس دیا ہے۔ان کی یہ تخلیقات قاری کو انسانیت کا درس دیتی ہیں ۔ان سفر نامہ نگاروں نے جہاں جہاں کا سفر کیا ہے انہوں نے نہ صرف وہاں کے حالات و واقعات کا بیان کیا ہے بلکہ وہاں کی سیاسی ، سماجی ،تہذیبی ، تاریخی ، معاشرتی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا بھی بیان کیا ہے اور پھر ان کے حل کرنے کے راستے بھی اختیار کئے ہیں ۔اردو کے یہ سفر نامے جہاں

قاری کو گھر بیٹھے ہوئے دنیا کے مختلف ممالک کی سیر کرا لیتے ہیں وہیں ان سفرنامہ نگاروں کے مثبت روئے قاری کو زندگی کا درس بھی دیتے ہیں۔عالمی سطح پرلوگوں کو جن جن تکلیفوں ومشکلات کا سامنہ کرنا پڑ رہا ہے سفرنامہ نگاروں نے ان کا احوال جوں کا توں بیان کیا ہے۔اردو کے سفرنامہ نگاروں نے نسل پرستی،فرقہ پرستی،مذہبی بنیادوں پرانسانوں کی تقسیم،نابرابری،تنگ نظری،تعصب اورخودغرضی سے بار بار بچنے کی تلقین کی ہے اوراس کے مقابلے میں عالمی امن، بھائی چارہ ،اتحاد اور مساوات کی حمایت کی ہے۔ضرورت ہے کہ ان سفرناموں کا مطالعہ کیا جائے اور اردو کی دوسری اصناف کی طرح ان کو بھی نصاب میں جگہ دی جائے تا کہ اردو کی یہ صنف جسے ام الاصناف کہاجاتا ہے جس میں داستان ،ناول ،افسانے ،انشائے،رپورتاژ ،خودنوشت اورآپ بیتی کے جھلکیاں دیکھنے کوملتی ہیں زندہ اورتابندہ رہے۔

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

❖❖❖❖

فارسی شاعری میں اخلاق، مقام آدمیت اور امن عالم کے عناصر

ڈاکٹر مدثر نظر

خدایا جہان دار اکبر توئی
کرم گسر وبندہ پرور توی

کلیدی کلمات:

حیوان ناطق، زبان وادب، فکروفن، اخوت واخلاق، امن وسلامتی، پندوموعظت۔

حرف اول:

انسان حیوان ناطق ہونے کی بنا پر اپنی درونی کیفیات کا اظہار کبھی تقریر تو کبھی تحریر سے کیا کرتا ہے۔تقریر زبان کی مناسبت سے اپنے تاثرات سامعین کے دلوں تک پہنچا کر ان کی فکر تک رسائی پاتی ہے جبکہ تحریر یا ادبی فن پارہ قارئین کے احساسات کو جھنجوڑ کر ان کی فکری نہج کو ایک راہ میسر کرتی ہے۔ عالم وجود دور حاضر میں جس سیاسی انتشار، سماجی خلفشار معاشراتی بحران میں الجھائے اور انسانیت خاک وخون میں غلطان جنگوں کے رحم وکرم پر ہے۔اس سے نجات کا واحد ذریعہ اس ادبی حس کو پیدا کرنا ہے جو ہمارے اسلاف نے ہمیں تحفتاً دی ہے۔

ادب پاروں میں دور متقدمین سے متاخرین تک ایک ایسی روش قائم رہی ہے جس میں اخوت وسلامتی، امن، عالم اور بقائے وجودیت کا راز مضمر ہے۔ اس اخوت و اخلاق کو جلا بخشنے کی خاطر ادب پاروں کا انسانی زندگی اور سماج سے انسلاک ضروری ہے۔

دُنیا کی ہر ادبی زبان امن واخوت کے حوالے سے گرانقدر نکات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ راقم اس مقالے فارسی شاعری میں اخلاقی عناصر کے نکات کو تحریر کر کے زبان زدعام کرنے کی سعی کروں گا۔ چونکہ انسان کے اندر اخلاقی اقدار پیدا کرنے میں ادب کا نمایاں رول رہا ہے شاہ وگدا دل نشین شعر سن کر گرویدہ سخن ہو گئے۔ اسی اخلاقی تعلیم میں امن وسلامتی کا راز مضمر ہے۔

متن مقالہ:

فارسی زبان وادبیات میں جہاں ایک طرف تصوف وعرفان، عشق وعقل اور فلسفہ ونجوم کے بے بہا خزانے موجود ہیں۔ وہیں دوسری طرف شعراء فارسی نے انسان کو اخلاق واخوت، امن وسلامتی اور مقام آدمیت سے آشنا کیا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب سلامتی کونسل کی اساس رکھی گئی تو عالمی ادب کے نمائندہ شعراء کا کلام کھنگال کر علامہ شیخ سعدیؒ کے ذیل کے قطعہ کو صدر دروزے پر تحریر کیا گیا۔

بنی آدم اعضای یکدیگراند   ودر آفریش زیک گوهرند
چو عضوی بدرد آورد روزگار   دگر عضوها را نماند قرار
توکز محنت دیگران بی غمی   نشاید کہ نامت نہندآدمی ۲ ؎

ترجمہ: بنی آدم ایک ہی پیکر کے تراشے ہیں جنکو ایک ہی بنیاد (گوھر) سے خلق گیا ہے جب زمانے کے ہاتھو کوئی ساعضو زخم خوردہ ہوتا ہے تو دوسرے اعضا میں تکلیف ہوتی ہے ابن آدم اگر تو دوسرے کے غموں سے بے خبر ہے تو تیرا نام

''انسان''، تجھ سے مناسبت نہیں رکھتا۔

گو کہ پورا فارسی ادب گاہ شعر ہو یا نثر اخلاق و اخوت کے بے بہا خزانے اپنے دامن میں سموئے ہے مگر اس تمام اعجاز کا ذکر کرنا مقالے کی طوالت کا باعث ہوگا لہٰذا راقم یہاں فارسی کے دو چار بڑے شعراء کی اخلاقی شاعری میں امن واخوت کے پیغام کی نشاندہی کرنے کی سعی کروں گا۔

شاہ نامہ فردوسی ساٹھ ہزار ابیات پر مشتمل ایک رزمیہ مثنوی ہے اور قاری اس کا نام سن کر ہی قتال وخون کے نقشے اپنے ذہن وعقل میں گردش کرتے پاتا ہے مگر دوسری طرف یہی رزمیہ مثنوی اخلاق، امن جوی اور پند وموعظت کی بات کرتی ہے۔ ذیل کے اشعار اس بات پر دال ہیں۔

بنام بلند ار بغلطی بخون
بہ از ندگانی ننگ درون

☆☆☆

زپیل اندر آورد زدبرزمین بہ بستند بازوی خاقان چین
چنین است رسم سرائی فریب گی بر فراز و گہی برنشیب ۳؎

عطار نیشاپوری نے منطق الطیر جیسی شہرہ آفاق عرفانی مثنوی لکھی مگر دوسری طرف ان کی شاعر پند وموعظت، بے ثباتی دُنیا، انقلاب زمانہ بے اعتباری اور نیکی وبدی کے مضامین اپنے اندر رکھتی ہے۔ وہ انسان کو بے ثباتی دہر کی یاد دہانی کراتے ہوئے ظلم، استبداد اور بربریت سے کنارہ کشی کا درس دیتا ہے۔

چیست این زندگانی دُنیا گفت خوابی است یا خیالی چند
گفتم از وی چہ حاصل است بگو گفت در دسرو وبائی چند
گفتم اھل شم چہ طائفہ اند گفت گرگ وسگ وشغالی چند ۴؎

فارسی زبان وادب تصوف وعرفان، عشق ومحبت اور سرور ومستی کا پیکر ہے

سعدیؔ پندوعظت وعلم وحلم کے معاملے میں فارسی سرایان کی فہرست کے اولین ناموں میں آتا ہے۔جس زمانے میں مذکورہ شاعر نے اپنی زندگی کا اکثر حصّہ گذارا وہ تاتار کے فتنے کی زد پہ تھا۔ ہرطرف کشت وخون کا منظر تھا۔سعدؔی تو پیکر احساسِ واخلاق تھے ان کی نثری تصانیف میں اخلاق کا عنصر حاوی نظر آتا ہے۔سعدی نے گلستان، بوستان اور کریما میں اخلاق کی عظمت اور انسان کی فطری بالیدگی کے احساسات کو اُجاگر کیا ہے۔ذیل کے اشعار ان کی اخلاقی معنویت پر دلالت کرتے ہیں۔

دلا ہر کہ رانبا شدخوان کرم　　　بشد نامدار خوان کرم
کرم نامدار جہانت کند　　　کرم کا مگارامانت کند
ورای کرم در جہان کار نیست　　　وزین گرم ترھیچ بازار نیست
کرم مایہ شادمانی بود　　　کرم حاصل زندگانی بود
ہمہ وقت شور دکرم مستقیم　　　کہ ھست افرینیدۂ جان کریم ۵؎

جوانمردی و لطف است آدمیت　　　ہمین نقش ہیولانی ہیو
ہنر باید کہ صورت میتوان کرد　　　بایوانہادر از شنگر وزنگار
چو انسان رانبا شد فضل واحسان　　　چہ فرق از آدمی تانقش دیوار
بدست آوردن دُنیا ہنر نیست　　　یکی راگرتوانی دل بدست آر ٦؎

برآن حافظ کو میدان عشق ومحبت کا سپہ سالار گردانا جانا ہے لسان لغیب اور شہنشاہ غزل کہا جاتا ہے مگر ان کے اشعار اخلاقی تعلیم سے مبرّا نہیں ہیں، اخلاق، پندوموعظت ان کے اشعار میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

درطریقتۃ　ماکافری　است　رنجیدن

ترجمہ: ہمارے طرز تصوف میں کسی انسان کا دل دکھانا کفر سے ابتر ہے۔ وہ

انسان کو آزار و اذیت مبتلا کرنے کو شریعت عرفان سے خارج کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مباش درپی آزارو ہر چہ خواھی کن
کہ درشیرلعت ماغیر ازین گناھی نیست
ھر کہ خواھد گوبیاد ھر کہ خواھد گو برو
گیر و دار و حاجب ودریان درین درگاشت
بندہ پیر حراباتم کہ لطفش دایم است
ورنہ لطف شیخ وزاہد گاہ ھست وگاہ نیست

شیخ نورالدین عبدالرحمن جامیؔ کا شمار برگزیدہ فارسی شعراء میں ہوتا ہے جنھوں نے نظامی کی تقلید میں خمسہ لکھی اور بہارستان لکھ سعدیؔ کے مقلدین میں شامل ہوئے، مولانا روم وعطار جیسے صوفیاء کی اتباع کی تصوف کو نئے زاویوں سے روشناس کرایا مگر اخلاق وعدل پروری کا درس دئے گئے۔ ذیل کے اشعار ملاحظ ہوں:

ہرکرا دل بعدل شد مائل   طمع از مالِ خلق گوبگسل
طمع وعدل آتش وآبند   ہر دویکجا قرار کی یابند
چون بکوبد طمع در مسکن   عدل بیرون گریز داز روزن ۸؎

علامہ محمد اقبال کا نام فارسی اور اردو زبان کے قدآور شعراء میں سرفہرست ہے۔ دُنیا کو جہاں فلسفہ سے آشنا کر شاعری میں ڈھالنے کے نئے پیرائے وضع کیئے وہیں جاوید نامہ میں آدم کی خلقت وعظمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت وضاحت سے بیان کیا۔ جاوید نامہ اگر ایک شاعر کی آفاقی سیر وسیاحت ادراک والہام پر مبنی کتاب ہے اخلاق اور مقام آدمیت کے مناسبت ذیل کے اشعار ملاحظہ کریں۔

آدمیت احترام آدمی   باخبر شواز مقام آدمی

آدمی از ربط و ضبط تن بتن　　برطریق دوستی گامی بزن
بندہ عشق از خدا گیرد طریق　　می شود برکافرومومن شفیق ۹ے

گوکہ مذکورہ شعراء کے علاوہ فارسی میں بے شمار ایسی ہستیاں کہ جنہوں عالم میں اخلاق وامن کی مناسبت سے گرن بہا موتی لفظوں میں پروئے ہیں مگر سب کا ذکر مقالہ کی طوالت کا باعث ہوگا۔

مذکورہ عنوان، فارسی شاعری میں اخلاق، مقام آدمیت کے عناصر ایک طویل بحث ہے اور پوری بات کہنے کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے اپنی اس بات کومحکم اور معتبر بنانے کے لئے ذیل کی حدیث کا سہارا لیتا ہوں۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عَنهُما قال: قال رسول اللهﷺ اِن لِلّٰہ خلقا خلقهُمْ لِحَوائِجِ النَّاسِ يَفْزَعُ النَاسُ ماليهِمِ فى حوائجهم وا أوُلٰئك لاُمنُون مِن عذاب الله۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کچھ خدا کے بندے لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ہی خلق کیا گیا ہے اور لوگ اپنی حاجات/ضرورتوں کی برآوری کے ان کے پاس جاتے ہیں یہ لوگ روزمحشر اللہ کے عذاب سے محفوظ و مامون رہیں گے۔

علامہ کے اس شعر میں انسان کو اپنے اندر نرم مزاجی کا ادراک کرنے کی سعی کا اشارہ ملتا ہے۔

دانہ اول فتاد یست بر خاک
تاازو سرکشیدہ بر افلاک

رومی فرماتے ہیں:

دل بدست آور وحج اکبر است
از ھزار ان کعبہ یک دل بہتر است

حواشی وحوالہ جات:

۱) تصوف وعرفان میں فارسی شعراء کے مثنوی معنوی،منطق الطیر ،دیوان حافظ سعدی جیسے لامحدود نسخے موجود ہیں۔

۲) مذکورہ قطعہ کا ترجمہ سلامتی کونسل کے صدر دروازے پر کندہ ہے۔ کلیات سعدی۔

۳) شعرالعجم۔جلد ۴۔ص۔۲۰۱۔۲۰۲

۴) ایضاً۔جلد۔ ۴۔ص۔۱۱۸۔نسخہ الیکٹرانیکی کلیات عطار یشاپوری۔

۵) کریمای سعدی۔مدون ابن قدیر۔ص ۱۵۔ ۱۴

۶) گلستان سعدی۔مدون ومحقق قاضی سجاد حسین۔ص ۱۹۳۔

۷) شعرالعجم۔علامہ شبلی۔ج ۴۔۱۸۹۔

۸) جامیؔ۔علی اضغر حکمت۔ص۔۱۵۷۔

۹) جاوید نامہ۔سختی بہ نشر ادنو،

❖❖❖❖

''شیخ سعدیؒ کے اخلاقی اقوال واشعار میں امن کا پیغام''

یاسر عرفات طلبگارؔ
استاد گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول بھرت

تمہید:

عالم وجود میں ادب انسانی معاشرے کا ترجمان اور آئینہ دار ہوتا ہے۔ ادب حیات انسانی کے مختلف گوشوں کو کہیں شعری تو کہیں نثری پیرائے میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ ادب میں زندگی کے گونا گوں مسائل و معاملات پر بے شمار منظوم و منثور تحریریں معرضِ وجود میں آئی ہیں۔ فارسی شعر و ادب بھی مختلف موضوعات جیسے دینیات، طبیعات، تاریخ، سیاست، معاشرت وغیرہ پر محیط ہے۔ ادبیات فارسی نے سنائیؔ، عطارؔ، مولانا رومؒ جیسے عارف وصوفیاء، ابن سیناؔ، ابن مسکویہؔ، امام غزالیؔ جیسے فلسفہ وحکمت کے اساتذہ اور حافظؔ، مولانا جامیؔ اور شیخ سعدی جیسے استادانِ فن اور محبانِ اخلاق پیدا کیے ہیں، جن کی تعریفیں شاعر مشرق علامہ اقبالؒ جیسے فلسفی اور شاعر نے کی ہیں۔ متذکرہ بالا اُساتذ کے قلمی اور علمی کارنامے دنیا کے بڑے بڑے مراکز میں اب تک شامل نصاب رہے ہیں۔ فارسی ادب کے اس مایہ ناز خزانے سے راقم نے ''شیخ سعدیؔ کے اخلاقی اشعار و اقوال میں امن کا پیغام'' پر لب کشائی کرنے کی اور اسے سپرد قلم کرنے کی ادنیٰ سعی کی

ہے جو کہ اہل علم و دانش کی خدمت پیش کی جا رہی ہے۔

فتنہ منگول کے اثرات: شیخ سعدی چونکہ ایک حکیم اور دردمند دل رکھنے والے انسان تھے ان کے سامنے ہمعصر منگولوں کی تباہ کن اور انسانیت سوز تاریخ تھی، جس میں کئی بے گناہ انسانی جانیں ضائع ہوگئیں، ہزاروں علماء، فضلاء، ادباء، شعراء و بلغاء تہِ تیغ کئے گئے، بیش قیمتی کتب خانوں کو منہدم کر دیا گیا، عورتوں کی بے حرمتی کی گئی بچوں اور بزرگوں کو زندہ جلا دیا گیا ایسے کئی شعراء و فضلاء جان بچانے کے لئے دوسرے ملکوں میں روپوش ہوگئے اور اسی طرح کے کئی ایسے نا قابل ذکر جرائم منگولوں کے ہاتھوں انجام پائے جن کو تاریخ کا قلم ضبط تحریر میں لانے سے کپکپا اٹھتا ہے۔ اس وحشت انگیز فضا پر رضا زادہ شفق یوں رقمطراز ہے" مغول کا فتنہ اور تیمور کا حملہ تاریخ کی ایک بہت بڑی مصیبت ہے جو نہ صرف ایران میں ظاہر ہوئی بلکہ اس نے ایشیا اور یورپ کے ایک بہت بڑے حصے کو ویران اور پریشان کر دیا، شمالی ایران کے تقریباً تمام شہر اور ان کے ساتھ ہزاروں دیہات اور قصبے قتل و غارت سے فنا ہو گئے۔۔۔۔"(1)

ایک روایت کے مطابق سعدی بھی روپوش ہو گئے (2) اور اپنے ملک سے باہر بیس سے چالیس برس تک مختلف ملکوں کا سفر کیا (3)۔ مورخین نے سعدی کے سفر کے ضمن میں ایران میں سیاسی بدامنی اور فتنہ و فساد کے ساتھ ساتھ دوسری کئی وجوہات کا بھی ذکر کیا ہے۔(4)

اخلاقی تعلیم دورِ حاضر میں امن کی بحالی کا نسخہ:

دورِ حاضر میں جہاں ایک طرف مختلف الانواع آسائشوں اور سہولیات کی فراہمی ہے تو دوسری طرف سیاسی بدامنی اور خوف و ہراس اس کرۂ اراضی کو گھیرے ہوئے ہے۔ انسان کو دنیا کے کسی بھی گوشے میں امن و عافیت کی فضا میسر نہیں آرہی ہے اور ہر طرف سے بے اطمینانی اور پریشانی کا عالم بپا ہے۔ دنیا میں ایک طرف

قیام امن کے لئے مختلف ادارے اور انجمنیں معرض وجود میں آتی ہیں تو دوسری طرف مہلک اور زہریلے تباہ کن سائینسی تجربات آئے روز بلا خوف وتردّد کئے جارہے ہیں، جس کے نتیجے میں عالم انسانیت بدامنی اور سیاسی کشاکش کا شکار ہو رہا ہے۔ ماضی بعید میں عام نسل کشی اور تباہی کی جو مثال گذشتہ سطور میں آئی ہے اس جدید دور میں مختلف نام نہاد ترقی یافتہ مما لک کے نااہل ارباب اقتدار بڑی دیانت کے ساتھ اس کی اتباع اور تقلید کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے پوری دنیا عالمی دہشت گردی اور بدامنی کی لپیٹ میں آچکی ہے۔ اس کے سد باب کے لئے جو کوششیں کی جارہی ہیں وہ مخلصانہ اور دردمندانہ جوہر سے عاری دکھائی دے رہی ہیں۔ اس عالمی بے اطمینانی اور بدامنی کی سب سے بڑی اور بنیادی وجہ تعلیمی نصاب سے اخلاقی عنصر کی بے دخلی ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرے میں رشوت ستانی، حق تلفی، ایذا رسانی، نخوت، عیاشی، نادراروں پر ظلم وزیادتی اور ہر طرح کا بگاڑ اور فساد جیسے ناپسندیدہ عادات نشو ونما پارہے ہیں۔ شیخ سعدیؒ اقوام عالم کو بلا لحاظ مذہب وملت اور رنگ ونسل مخاطب کر کے اخوّت، انسان دوستی، آپسی بھائی چارے اور خیر خواہی کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس کی مثال ادب کے خزانوں میں ملنا مشکل ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

بنی آدم اعضایِ یک دیگر ند   کہ در آفرینش ز یک گوہرند
چو عضوی بدرد آورد روزگار   دگر عضو ہارا نماند قرار
تو کز محنت دیگران بی غمی   نشاید کہ نامت نعند آدمی۔(5)

(ترجمہ: حضرت آدمؑ کے اولاد ایک دوسرے کے جسم کے حصے ہیں جو ایک ہی جوہر سے پیدا کئے گئے ہیں، جب ایک حصے کو زمانہ تکلیف دیتا ہے تو دوسرے حصّے بے قرار ہوجاتے ہیں، (اے انسان) اگر تو دوسروں کی تکلیف سے بے پرواہ یا بےغم ہے تو توانسان کہلانے کے لائق نہیں ہے)

ان اشعار کوتوسط سے پوری انسانیت کو اپنی اصل اور بنیادی حیثیت سے با خبر کیا گیا ہے۔ حضرت آدمؑ کی اولاد قرار دے کر سب کو توحید خلقت کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا گیا ہے کہ اگر چہ عالم امر میں ہر انسان کا وجود منفرد ہے لیکن تخلیق کے اعتبار سے سبھی انسان ایک دوسرے کے ساتھ مربوط و منسلک ہیں۔ یہ وہ سبق ہے جو رنگ و نسل، ادنیٰ و اعلیٰ، بادشاہ و غلام، اسود و ابیض اور غرب و شرق کے ہمارے خودساختہ امتیازات کو مٹا دیتا ہے اور شاہ و گدا کو ایک ہی خوان نعمت سے متمتع ہونے پر آمادہ کرتا ہے اور یہ بتا دیا گیا کہ یہ جو انسان بظاہر الگ الگ نظر آتے ہیں یہ تو ایک ہی جسم کے مختلف اعضاء ہیں جو پیکر انسانیت کو الگ الگ صلاحیتوں سے تقویت دیتے ہیں، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ پیکر انسانیت کا ایک عضو رنج و تکلیف میں مبتلا ہو اور باقی اعضاء اس سے بے خبر ہو کر چین سے بیٹھیں بلکہ ایسا ہونا تو ناممکن ہے اور اگر کوئی انسان دوسرے ہم جنس کو تکلیف میں دیکھ کر بے خبری اور لا پرواہی کا مظاہرہ کر رہا ہے تو فی الحقیقت وہ آدمی کہلانے کا قطعی مستحق نہیں ہے بلکہ وہ تو جانور سے بھی گیا گزرا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

سگ بر آن آدمی شرف دارد   کہ دل دوستان بیازارد
حیف باشد کہ سگ وفا دارد   و آدمی دشمنی روا دارد۔ (6)

(ترجمہ: کُتا اس انسان سے بہتر ہے جو اپنے دوستوں کی دل آزادی کرتا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ کتا انسان کی وفاداری کرتا ہے مگر انسان دشمنی اور ایذا رسانی کو آسانی سے انجام دیتا ہے۔)

تعجب ہے کہ دنیا کے اندر سگ پروری پر لاکھوں کے حساب سے مال صرف کیا جاتا ہے مگر بھوکے انسانوں کو مرتے بلکتے دیکھ کر کسی کا دل نہیں پگھلتا ہے۔ یہی انسان جس کو اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز کیا گیا تھا اپنے ہی مانند جسمانی شکل و صورت رکھنے والوں کے محض طاقت کے نشے میں چور ہو کر درپئے آزار ہے

۔کہیں یہ اخلاق باختہ حکمران بن کر کسی کا ناحق خون بہا لیتا ہے تو کہیں کسی کی ملکیت پر غاصبانہ قبضہ جما کر معصوموں کو اپنے ہی گھر میں غربت اور اجنبیت پر مجبور کر دیتا ہے۔ جہاں دیدہ حکیم وشاعر ایک دوسرے مقام پر انسان کے خفتہ ضمیر کو یوں جھنجھوڑتا ہے۔

همه فرزند آدمند بشر میل بعضی بخیر و بعض بشر
این یکی مور از و نیا زارد وان دگر سگ براوشرف دارد۔(7)

(ترجمہ: آدمؑ کے سب بیٹے بشر ہیں کچھ نیکی سے رغبت رکھتے ہیں اور کچھ بدی سے رغبت رکھتے ہیں، جو نیکی کی طرف مائل ہوتے ہیں ان سے کسی چیونٹی کو بھی تکلیف و گزند نہیں پہنچتی ہے اور جو دوسری قسم یعنی بدی کرنے والے ہیں ان پر تو کتے کو بھی شرف و برتری حاصل ہے۔)

تو معلوم ہوا کہ زمین پر بسنے والے تمام انسان امن و اطمینان سے رہنے کا بنیادی حق رکھتے ہیں اور جو کوئی بھی کسی سے اس کا بنیادی حق چھیننے کی کوشش کرتا ہے گو یا وہ انسان نہیں بلکہ کتے سے بھی بدتر مخلوق ہے۔جب کوئی شخص مکمل طور پر بدی پر آمادہ ہوجاتا ہے تو وہ شرف آدمیت اور احترام انسانیت کے خداداد اصولوں کو پامال کر کے بہیمانہ خصائل کا بے دریغ مظاہرہ کرتا ہے اور رحم وترحّم کے اعلیٰ صفات سے پہلوتہی کر کے ظلم و بربریّت کا بازار گرم کرتا ہے اور ہم جنس آزاری اس کا شبانہ روز پیشہ بن جاتا ہے تو پھر بتائیے ایسے میں عالم انسانیت میں کیسے امن و سلامتی کی فضا قائم ہو پائے گی؟

دنیا میں امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے مین سب سے بڑا اور اہم کردار اہل سیاست اور اہل اقتدار کا روز اوّل سے ہی رہا ہے، اگر بادشاہ کا فکری قالب ہی بگڑا ہوا ہو تو مملکت پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوں گے اور اس کی رعایا اپنے بنیادی حقوق تک سے محروم ہوجائے گی، چنانچہ شیخ فرماتے ہیں۔

مملکت او صلاح نپذیرد گر همه رای او خطا باشد
هر صلاحی که درجهان آید اثر عدل پادشاه باشد۔(8)

(ترجمہ: اس بادشاہ کی مملکت میں امن قائم نہیں ہوسکتا جس کی ساری سوچ ہی غلط ہو، دنیا میں جو امن وصلاح کی فضا قائم ہوتی ہے وہ بادشاہ کے عدل کے اثر سے ہوتی ہے۔)

شیخ اس حکیمانہ شعری قول سے یہ پیغام دے رہے ہیں کہ ملک میں خوشگوار اور پرامن ماحول کا دار و مدار کلی طور پر بادشاہ کی سوچ اور طرز حکومت پر ہوتا ہے، اگر بادشاہ عدل و انصاف کے ساتھ اپنے فرائض منصبی انجام دیتا ہے تو اس ملک میں مختلف قسم کے فتنہ پرور عناصر بدامنی کو فروغ نہیں دے سکتے ہیں اور اگر بدقسمتی سے کوئی بادشاہ قومی انتقام گیری اور ظلم و زیادتی کو جائز قرار دے دے تو ملک تو کیا پوری دنیا میں بدامنی پھیلنے کا خطرہ رہے گا اور یہ زمیں جائے پناہ کے بجائے جائے عبرت بن جائے گی۔ اسی لئے شیخ نے اپنے قصیدوں میں بھی امراء اور ورزاء کو اپنے مواعظ کے ذریعے سے نیک خوئی اور انسان دوستی کی تلقین کرتے ہوئے یہ سبق یاد دلایا ہے کہ اس دنیا میں بڑے بڑے طاقتور لوگ آئے جن کا اب نام کے سوا کچھ باقی نہیں ہے۔ چنانچہ امیر فارس انکیانو کو نصیحت فرماتے ہوئے کہتے ہیں

بس بگر دید و بگر دد روز گار دل بدنیا در نبندد هوشیار
ای که دستت می رسد کاری بکن پیش ازان کزتو نیاید هیچ کار
آن که درشهنامها آورده اند رستم و روئین تن اسفند یار
تابدانند این خداوندان ملک کز بسی خلقست دنیا یادگار
وانچه دیدی بر قرار خود نماند وانچه بینی هم نماند بر قرار
دیر و زود این شکل و شخص نازنین خاک خواهد گشتن و خاکش غبار۔(9)

(ترجمہ: زمانہ بہت گزر گیا اور مسلسل گزرتا جارہا ہے عقل مند انسان دنیا کے

ساتھ دل نہیں لگا تا ہے، اگر تجھ سے ہو سکے تو تو کوئی کام کر اس سے پہلے کہ تو کچھ کرنے کے قابل نہ رہے شاہنامہ کی داستانوں میں ایران و توران کے نامور پہلوانوں کا ذکر اس لئے آیا ہے تا کہ دنیا کے بادشاہ وحکمران یہ جان لیں کہ اس دنیا میں بہت سارے لوگوں کا نام کے سوا کچھ باقی نہیں ہے جو تو نے دیکھا وہ پہلے موجود ہی نہیں تھا اور تو جو کچھ دیکھ رہا ہے وہ بھی باقی نہیں رہے گا اور دیر سویر یہ خوبصورت شکل وصورت مٹی میں مل کر غبار بن کر اُڑ جائے گی۔)

یعنی حکمران کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ تخت وتاج ابدی اور دائمی نہیں ہیں بلکہ عارضی ہیں، اس چندروزہ اقتدار کے ہاتھ آنے پر جتنا بن پائے بھلائی کے کام ہی کرنے چاہئے جس سے عوام سکون وراحت کی زندگی گزارے اور ملک کی فضا پُر امن رہے۔

خاتمہ:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دور حاضر میں عالم انسانیت جس شدید امن کے فقدان اور بحران سے گزر رہا ہے وہ سب کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ مربی اخلاق وشاعر جہاں دیدہ کے مذکورہ بالا بیش بہا اقوال واشعار کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوئی کہ غلام سے لے کر آقا تک کی اخلاقی تربیت دنیا میں امن کی بحالی کے لئے ایک شاہ کلید ہے جس سے امن وامان عالم کے راز تک رسائی حاصل کر پانا عین ممکن ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جس قوم کے اخلاق بلند ہوں گے اس قوم کا غلام سے آقا تک کوئی بھی فرد کسی اپنے یا غیر پر سرمو کے برابر بھی ظلم وزیادتی نہیں کرے گا۔

❖❖❖❖

حوالہ جات

1۔ تاریخ ادبیات ایران (اردو ترجمہ) ص 324 شفق رضازادہ
ایضاً تاریخ ادبیات ایران (فارسی) ص259 تا260 شفق رضازادہ
2۔ تاریخ ادبیات ایران (اردو ترجمہ) ص 331 شفق رضازادہ
ایضاً تاریخ ادبیات ایران (فارسی) ص264 شفق رضازادہ
ایضاً تذکرۃ الشعراء ص202 سمرقندی دولت شاہ
3۔ شعرالعجم جلد دوّم، ص23 نعمانی علّامہ شبلی
4۔ شعرالعجم جلد دوّم، ص23 اور ص28 نعمانی علّامہ شبلی
5۔ کلّیات شیخ سعدیؒ ص88، باب اول، حکایت 10 فروغی آقای محمد علی
ایضاً گلستان شیخ سعدیؒ باب اول، حکایت 10، ص42 مرتب حسین مولانا قاضی سجاد
6۔ و7۔ کلّیات شیخ سعدیؒ ص854 فروغی آقای محمد علی
8۔ شعرالعجم جلد دوّم، ص31 نعمانی علّامہ شبلی
9۔ کلّیات شیخ سعدیؒ: قصائد فارسی ص449 فروغی آقای محمد علی
ایضاً، تاریخ ادبیات ایران (فارسی) ص269 شفق رضازادہ
تاریخ ادبیات ایران (اردو ترجمہ) ص337 شفق رضازادہ

❖❖❖❖

سعدی شیرازی کی شاعری میں امن اور انسان دوستی کے عناصر

صفی محمد نیا یک
پی۔ایچ ڈی اسکالر (فارسی)
دہلی یونیورسٹی ۱۱۰۰۰۷
+919868326552
Email: sammee78@gmail.com

ای نام تو بہترین سر آغاز
بی نام تو نامہ کی کنم باز

جیسا کہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ آج یہاں جمع ہونے کا مقصد ''عالمی امن میں زبان وادب کا کردار" کے موضوع پرلب کشائی کرنا ہے۔اسی تناظر میں میرے مقالے کا عنوان" سعدی شیرازی کی شاعری میں امن اور انسان دوستی کے عناصر" ہے۔سب سے پہلے لفظ امن پر اگر غور کیا جائے تو اس کے معنی فرہنگ لغت معین کی رو سے بے خوف ہونا اطمنان اور سکون کے ہیں ۔" یعنی بدامنی سے آزادی'' یہ تو امن کے لغوی معنی ہیں۔امن صرف ایک لفظ ہی نہیں بلکہ اس کا دامن بہت وسیع ہے۔میرا تعلق ریاست جموں کشمیر کے اسی خطہ سے ہے۔ جہاں ہم رواداری اور

امن و آشتی کے وسیع مفہوم کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے اکھٹا ہوئے ہیں۔لوگ آج پوری دنیا میں بہ مشکل ہی لفظ امن سے آشنا ہیں، اگر آشنا ہیں تو اس پر عمل پیرا نہیں۔ذاتی طور پر میں امن کے لئے سرگرداں ہوں۔لیکن امن کے لئے ایک پر سکون معاشرے کی ضرورت ہوتی ہے۔بقول شیخ شیرازی

خشت اول گر نہد معمار کج
تا ثرّیا می رسد دیوار کج

گویا آج کا یہ سیمینار اس معاشرے کی تعمیر میں خشت اول کی حثیّت رکھتا ہے۔

اب مختصر سی تمہید کے بعد موضوع کی طرف بڑھیں۔فارسی شعر وادب کی اگر بات کی جائے تو خالق کائینات نے اس زبان وادب کی آبیاری آبِ حیات سے کی تھی۔یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں اس زبان نے ایسے ایسے فنکار پیدا کئے ہیں کہ جن کی تخلیقات سے نہ صرف فارسی زبان وادب ہی سیراب ہوا بلکہ تمام دنیائے ادب کے لئے وہ تخلیقات مشعل راہ بن گئیں۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پای تھی
ثرّیا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

ایسے ہی تخلیق کارواں میں ایک نام مصلح الدین سعدی شیرازی کا بھی ہے جن کا نام اور شخصیت صرف علماء ہی کے لئے نہیں بلکہ عوام کے لئے بھی تعریف کا محتاج نہیں۔ بہر حال اس کی تعریف میں چند کلمات آپ کے سامنے رکھوں۔مغولوں فتنہ کے ہاتھوں جب سرزمیں ایران بے گناہوں کے خون سے لالہ زار تھی گھر ویران اور مسجدیں تباہ ہوئی علم وادب کے مراکز فنا ہو گئے، کتابخانے نظر آتش ہوئے، بڑے بڑے عالموں کو بے دردی سے شہید کیا گیا اسی زمانے میں ایک نادرہ روزگار ہستی وجود میں آئی جس کے ادبی کارناموں نے اہل ایران کے مجروح

دلوں پر مرحم کا کام کیا۔ میری مراد بزرگووار ہستی شیخ سعدیؒ ہے۔

آپ کا اسم گرامی مشرف الدین ہے اور سعدی تخلص، آپ شیراز میں پیدا ہوئے۔ شیخ سعدی کی سوانح لکھنے والوں نے کہا ہے کہ شیخ نے اپنی زندگی میں چار کام انجام دئے ہیں تقریباً 30 سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے 30 سال سیر و سیاحت کی، 30 سال تصانیت کا کام انجام دیا اور بقیہ زندگی گوشہ نشینی میں گزاری غرض شیخ سعدی نے اپنی زندگی اچھے کاموں میں صرف کی ہے۔ سعدی شیرازی کا مجموعہ کلام تین کتابوں پر مشتمل ہے۔ جس میں گلستان، بوستان اور غزلیات شامل ہیں۔

گلستان میں نثر کے ساتھ اشعار بھی شامل ہیں جسے ہم فارسی زبان میں نثر آمیختہ بہ نظم کہتے ہیں۔ بوستان سعدی منظومات پر مشتمل ہے ان دونوں کتابوں میں اخلاق و دانش اور پند و نصائح کے عناصر جا بجا پائے جاتے ہیں غزلیات میں عشقیہ مضامیں کے علاوہ کچھ ذاتی واقعات بھی شامل ہیں۔

سعدی شیرازی کے کلام کے مختلف پہلو ہیں جس میں اخلاق و دین، عرفان، امن و آشتی، رواداری، انسان دوستی وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے کلام کو سات سو سال گزر جانے کے بعد کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔

گلستان سعدی کے وہ اشعار جن کی گونج اقوام متحدہ کی عمارتوں تک پہنچی یعنی ان کے کلام کی شہرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ذیل کے اشعار نیو یارک میں اقوام متحدہ کی عمارت پر کندّہ ہیں۔

نبی آدم اعضای یکد یگرند
کہ در آفر ینش ز یک گوھرند
چو عضوی بد رد آورد روزگار
دگر عضو ہارا نماند قرار

Human beings are like parts of body created from the same essence. When one pat is hurt and in pain others cannot remain in peace and quiet.

اگر چہ سعدی کا رجحان مولانا رومی، حافظ اور دوسرے شعراء عارف کی نسبت عرفانی اور صوفی شاعری کی طرف کم ہے لیکن وہ آدمیت کو ایک ہی ریشہ اور ایک ہی گوھر سے تسلیم کرتے ہیں۔

سعدی شیرازی نے بہت ہی خوبصورت انداز میں اہل جہاں کو رواداری، انسان دوستی اور امن و آشتی کا درس دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ دنیا کے مختلف انسان جسم کے اعضا کی مانند ہیں اور جن کی تخلیق ایک ہی جوہر یا ذات سے ہوئی ہے۔ اگر جسم کا کوئی ایک حصہ یا عضو تکلیف میں ہو تو دوسرے عضو میں کیسے آرام ہو سکتا ہے۔ جسم کے دوسرے حصوں میں قطعاً امن و سکون نہیں ہوگا۔ سعدی انفرادیت اور ذات کی بہ نسبت پورے سماج اور معاشرے کی بات کرتے ہیں، وہ کسی ایک قوم یا ملک کے بارے میں نہیں بلکہ پوری دنیا کو مدنظر رکھتے ہوئے سماج کے ہر طبقے کو امن، رواداری اور بھائی چارگی کا پیغام دیتے ہیں۔ ایک بہتر سماج کی تعمیر کے لئے عدل و انصاف اور اخوت و محبت کو بنیادی لوازمات قرار دیتے ہیں۔ جن کا ثبوت اُن کی لطیف حکایتوں اور پر مغز اشعار میں ملتا ہے۔ سعدی شیرازی نے زندگی کے تلخ حقایق کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا ہے اور کبھی شکوہ و شکایت سے زبان و قلم کو آلودہ نہیں کیا، کبھی ذکر بھی کیا تو اس انداز سے کہ پڑھنے والوں کو اس سے سبق حاصل ہو۔ ایک حکایت میں لکھتے ہیں کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ" میرے پاوں میں جوتا بھی نہ رہا پیسے پاس نہیں تھے کہ جوتا خرید لیتا اسی حالت میں جب میں کوفہ میں آیا تو وہاں ایک شخص کو دیکھا جس کے پاوں ہی نہیں تھے۔ آپ نے خالق کائینات کا شکر ادا کیا کہ جوتا نہ سہی پاوں تو ہیں۔

سعدی اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کو ہمیشہ جنگ کے بجائے امن وآشتی کو ترجیح دینی چاہیئے اور دوسرے عوامل کو ذریعہ بنا کر کسی خاص یا عام مسلے کا حل تلاش کرنا چاہیئے ۔لیکن اس وقت جنگ کو آخری چارہ سمجھنا چاہیئے جب امن وآشتی کی ساری کوششیں بے ثمر ثابت ہوں۔

فرماتے ہیں کہ:

من امروز کردم در صلح باز
تو فرد امکن در بہ رویم فراز
ہنوز از سر صلح داری چہ بیم؟
در عذر خواہاں نبندد کریم

ترجمہ: میں نے صلح کا دروازہ آج کھول دیا اسلئے آپ بھی میری طرف بڑھیں اس کام کو کل پر مت چھوڑیں۔

کیا تمہیں ابھی بھی جنگ کے بجائے صلح کرنے میں کوئی ڈر لگتا ہے بڑے لوگ بہانہ بازی نہیں کرتے اور صلح کے دروازے بند نہیں کرتے۔

سعدی شیرازی اس سے ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں کہ اگر خدانخاستہ کسی قوم کے درمیان جنگ بھی چھڑ جائے تو جنگ کے دوران بھی صلح کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھنا چاہیئے اور کسی بھی قیمت پر صلح اور آشتی کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیئے۔

فرماتے ہیں کہ:

ھمیتا بر آید بہ تد بیرکار
مدارای دشمن بہ از کارزار
اگر پیل زوری و گر شیر چنگ
بہ نذدیک من صلح بہتر کہ جنگ

مخجملہ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ آمن وآشتی، رواداری، بھائی چارہ اور اسی قبیل

کے دوسرے عناصر سمجھنے کے بعد ہمیں بالکل یہ گوارا نہیں کرنا چاہیئے کہ دنیا بہ یک وقت بدل جائے، بلکہ ہم سب فرداً فرداً خود ان معنی خیر اصطلاحات پر عمل پیرا ہوں۔ اگر ہم ذاتی طور پر نا امید، فخر اور خشم آلودگی کا شکار ہوں تو پھر کیسے ایک مثالی معاشرے کی تعمیر کر سکیں۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت بدلنے کا

شکریہ!

❖❖❖❖

عالمی امن میں اُردو زبان و ادب کا کردار

پرشوتم سنگھ
سینٹرل یونیورسٹی آف حیدرآباد

اُردو زبان آغاز سے ہی اپنے اندر مشترکہ تہذیب کو سمیٹے ہوئے یعنی کہ نہ صرف اُردو زبان مشترکہ زبانوں کے ذریعے سے وجود میں آئی ہے بلکہ اس زبان کا ادب چاہئے شاعری ہو یا نثر ہو۔ ہر عہد اور ہر دور میں وطنیت ،قومیت ،مشترکہ تہذیب اور امن کو فروغ دیا ہے۔ 1857ء کے غدر کے بعد ہندوستانی عوام کو شدت سے محسوس ہونے لگا کہ انگریز پوری طرح سے ہندوستان پر قابض ہو چکے ہیں 18 ویں صدی سے تحریک آزادی تک اُردو شعراء و ادباء نے تمام سیاسی و سماجی مسائل کو اُردو ادب کی تمام اصناف میں بخوبی پیش کیا ہے۔ جب 1857 میں تحریک آزادی کی جنگ شروع ہوئی جو 1947 تک کسی نہ کسی شکل وصورت میں جاری رہی اس دوران اُردو ادب بالخصوص اُردو شاعری نے جو کام انجام دیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں وطن پرستی نے سیاسی نوعیت اختیار کر لی تھی جس میں انگریزوں کی مخالفت روز بروز بڑھتی گئی اور سیاسی آزادی کا تصور پھیلتا گیا۔

اُردو شعراء اور ادبا نے جہاں ایک طرف قومی شاعری کی یعنی کہ جذبہ وطنیت اور جذبہ آزادی کو مختلف انداز سے عوام کے دلوں میں زندہ رکھا وہیں عوام میں اخلاق امن بھائی چارہ پیدا کرنے کے لئے بھی اُردو زبان نے جو کارنامے انجام دئے وہ قابل ذکر ہیں۔

19 ویں صدی میں اُردو زبان کا بہت ہی اہم رول رہا ہے اس میں سر سید تحریک نے یہ کام انجام دیا اور بالخصوص سیر سید احمد خان اور ان کے رُفقاء نے جو کام کیا اس سے ہر انسان واقف ہے اسی دور میں اُردو شاعری نے بھی قومیت اور سیاسی حالات کا قدم قدم پر سہارا لیا بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اُردو زبان اور خصوصی طور پر اُردو شاعری نے تحریک آزادی خود لڑی ہے۔ اور امن اور مشترکہ تہذیب کو ہر حال میں زندہ رکھا ہے اس وقت کے ادب میں ایک خاص انقلاب نظر آتا ہے جس کا اظہار خواجہ محمد حسین آزاد نے ''آب حیات'' میں کیا ہے۔ پہلی بار اس بات کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ ادب میں افادیت بھی ہونی چاہیئے ۔لیکن ان شعراء اور ادباء کے پیش نظر ایک ہی مقصد تھا وہ تھا ہندوستان میں امن، قومیت، وطنیت اور مشترکہ تہذیب کے شعور کو قدیم پر جدید عوام کی روشنی میں استوار کیا جائے۔ اُردو چوں کہ ہندوستان کی اپنی زبان ہے یہی پیدا ہوئی پلی بڑھی اور پروان چڑھی۔ نہ صرف اپنے ملک ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب وثقافت کی ضامن رہی بلکہ کروڑ ں ہندوستانیوں کے دل کی دھڑکن بھی رہی۔

اور کبھی بھی اُردو زبان کے حلق سے یہ آواز نہیں آئی کہ وہ مسلم ہے یا ہندو ہے بلکہ ہر لخت یہی پکارتی رہی کہ میرا کوئی مذہب نہیں ہے میں ہندوستان کے تہذیب کی ضامن ہوں۔

مثال کے طور پر سوداؔ کے چند اشعار ملاخطہ کیجئے

ہندو تو ہے بت پرست
مسلمان تو ہے خُدا پرست
میں اس کو پوجوں
جو ہے انسان پرست

اقبالؒ بھی اسی طرح کہتے ہیں

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا

اور جب ہم اُردوزبان وادب کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسی زبان ہے جس کے سینے میں ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کے صدیوں سے راز پوشیدہ ہیں۔اس زبان کے ادب کے مطالعے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس زبان نے ہمیشہ سے اخلاق ومساوات کا درس دیا ہے اور بکھرتی ہوئی قومیت کو ہر میدان میں جوڑنے کی کوشش کی ہے۔

جگرمرادآبادی کا ایک شعر ہے

میرا پیغام محبت ہے
جہاں تک پہنچے پہنچا دینا

اس زبان نے آپسی بھائی چارے کو قائم ودائم رکھا ہے اور ابھرتے ہوئی مسائل کے رخ کو موڑ دیا ہے مندر اور مسجد کے جھگڑوں کو ختم کرکے امن اور مشترکہ تہذیب وتمدن کو فروغ دیا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا امن کی مثال ہوسکتی ہے اور یہاں تک کہ اس زبان میں وطن کے ہر ذرہ کو دیوتا سمجھا ہے مثال کو طور پر اقبالؒ کا یک شعر

پتھر کی مورتیوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھکو ہر زرہ دیوتا ہے

محمد حسین آزادؔ اور سمٰعیل میرٹھی کے بعد علامہ اقبالؒ نے وطن کے جذبے کو جس شان وشوکت سے پیش کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔انہوں نے اپنی مختلف نظموں میں ہندوستانیت اور مشترکہ تہذیب کو جگہ دی ہے اور ہندوستانیوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا ہے۔علامہ اقبالؒ نے جس جذبے کے ساتھ ترانہ ہندی میں وطنیت کے شعور کو اجاگر کیا ہے اس کی مثالیں دور دور تک نہیں ملتی۔

اقبالؒ ایک جگہ پر کہتے ہیں

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت میں اقبال نے پورے تاریخی شعور کو سمیٹ کر پیش کر دیا ہے جو امن کی ایک زبردست مثال ہے۔

ملاحظہ کیجئے چند اشعار

چشتی نے جس زمیں پر پیغام حق سنایا
نانک نے جس زمیں میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشت عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

چکبستؔ بھی ایک ایسے شاعر تھے جنہوں نے پورے ہندوستان کے جذبات و نظریات کا بلا امتیاز مذہب وملت کی ترجمانی کی ہے وہ کہتے ہیں:

دکھا دو جو ہر اسلام کے اے مسلمانوں
وقار قوم کا گیا قوم کے نگہبانو

ان کے علاوہ اس دور کے دوسرے شعراء جنہوں نے ملی اتحاد کو فروغ بخشا ان میں سرور آبادیؔ، برق دہلویؔ، حسرت موہانیؔ، تلوک چند محرومؔ، ظفر علی خانؔ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد اُردو زبان کی دو عظیم شخصیتیں سامنے آئیں مولانا ابو الکلام آزادؔ اور مولانا محمد علی جوہر، آزاد اگر شاعر بھی تھے لیکن انہوں نے اپنے ادبی رسائل کی بدولت ملی اتحاد امن ومشترکہ تہذیب کو فروغ بخشا۔ مولانا محمد علی جوہر جذباتی انداز سے تحریک سے وابستہ تھے۔ جس کی وجہ سے قید و بند کی زندگی بھی گزارنی پڑی ان کے علاوہ جوشؔ وغیرہ نے اس روایت کو قائم رکھا۔

خواجہ میر دردؔ ایک صوفی شاعر تھے مگر ان کے ہاں کہیں کٹر پن نہیں ہے۔ بلکہ تمام انسانوں کو برابر خیال کرتے ہیں مثلاً

مدرسہ ہو یا دہر کعبہ یا بت خانہ ہو
ہم سب مہمان تھے ایک تو ہی صاحب خانہ تھا

الطاف حسین حالیؔ کہتے ہیں:

اگر چاہتے ہو ملک کی خیر
نہ کسی ہم وطن کو سمجھو غیر
ہو مسلمان اس میں یا ہندو
بدھ مذہب ہو یا ہو برہمن
اس کو میٹھی نگاہ سے دیکھو

مختصر یہ کہ اُردو زبان نے ہر عہد اور ہر دور میں امن اور مشترکہ تہذیب کو فروغ دینے میں جو کارنامے انجام دئے ہیں وہ قابل ذکر ہیں۔حالات کیسے بھی کیوں نہ رہے ہوں جنگ آزادی ہو یا ملک کا بٹوارہ یا پھر چاہئے فرقہ وارانہ فسادات ہوں یا کوئی اور دردناک مرحلہ ہر حال میں اس زبان کے شعراء وادباء نے اتفاق واتحاد کا درس دیا ہے اور آپسی جھگڑوں سے بعض رہنے کی تلقین کی ہے۔ اوراس کوشش میں بہت حدتک ہماری اُردو زبان کامیاب بھی رہی ہے اور آج بھی یہ زبان اپنا فرض نباہ رہی ہے۔

❖❖❖❖

اردو شاعری میں امن کا پیغام انسانیت کے نام

محمد رفیع
ریسرچ اسکالر شعبۂ اُردو
جے۔این۔یو۔نئی دہلی

امن کی تعریف عدم جنگ کے الفاظ میں کی جا سکتی ہے۔امن کا مطالعہ عام طور پر جنگ کے حوالے سے کیا جا تا ہے۔یہ بات اپنی جگہ اہم ہوسکتی ہے مگر یہ امن کا ایک محدود تصور ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ امن کا تعلق انسان کی پوری زندگی سے ہے۔امن اپنے آپ میں ایک مکمل ایئڈیالوجی کا نام ہے۔امن شاہ کلید ہے جس سے ہر کامیابی کا دروازہ کھلتا ہے۔امن انسانیت کا طریقہ اور زندگی گزارنے کا سلیقہ ہے

کسی بھی زبان کا ادب ایسا نہیں رہا ہے جس میں امن ومحبت ،رواداری، مساوات، انسان دوستی ،خیر خواہی ، بھائی چارگی، ہم آہنگی ،حسن اخلاق اور اعلی انسانی اقدار کے پرسرور و پرسوز نغمے دلوں کی شادمانی کا سبب نہ بنے ہوں۔اور پھر جنگ ،تشدد، جزباتیت ،شدت پسندی، جارحیت ،رجعت ،نفرت،اور بدامنی کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ ہوئی ہو۔دنیائے ادب میں ایسی تخلیقات مل جاتی ہیں جن میں امن و امان ،رواداری،اور محبت کا پیغام ملتا ہے۔ادب کا تخلیق کار

چونکہ ایک ادیب ہوتا ہے اور ادیب کسی معاشرے کا فکری رہبر ہوتا ہے جو سماج کے دوسرے افراد کے مدمقابل زیادہ حساس، اعلی شعور اور شاداب ومنصف طبعیت کا مالک ہوتا ہے۔ادیب کسی معاشرے کے لئے رہنما اصول بھی فراہم کرتا ہے۔ادیب نے ہر دور میں امن وامان کو فروغ دینے کی شعوری کوشش کی ہے ادیب نے ہر دور میں اپنے قلم کے زور سے ظالم کے سامنے سینہ زوری کا دعوی کیا ہے۔گویا

معلوم نہیں درد سے نسبت میری کیا ہے
چوٹ آتی ہے شیشے پہ تو میں بول پڑتا ہوں

دنیائے ادب سے قطع نظر اگر ہم اردو ادب کی بات کریں تو کم وبیش ہر ادیب نے کسی نہ کسی صورت میں امن و امان، رواداری اور محبت کا پیغام دیا ہے اردو شاعری میں رواداری، امن وامان، ہمدردی، یکجہتی اور صلح کل کی روایت کافی مضبوط ہے۔اردو شاعری میں ہمیں فکری بلندیاں، عصری تقاضے، سیاسی رمزوکنائے، انسان نوازیاں، بھائی چارہ، سیکولرزم، رواداری، اور اخلاقی اقدار کی فراوانی نظر آتی ہے۔دنیا میں امن وامان کو فروغ دینے میں اردو شعراء کی مساعی جمیلہ نا قابل فراموش ہے۔محبت، جذبہ ایثار، رواداری، امن وآشتی کے عناصر کو اردو شاعری کی مختلف النوع اصناف میں دیکھا جا سکتا ہے۔اردو شاعری ہر دور میں امن وامان، انسان دوستی کی ترجمان رہی ہے۔

اردو شاعری کا خمیر، اسکا مزاج محبت والفت اور امن وامان کی قدروں سے تیار ہوا ہے۔اردو شاعری کی تاریخ میں ان صوفی بزرگوں کی خدمات نا قابل فراموش ہیں جنہوں نے پہلے پہل اردو زبان کو وسیلۂ اظہار بنا کر اردو شاعری کے دامن کو وسعت بخشنے میں اپنا کلیدی کردار ادا کیا۔ان صوفی بزرگوں کے صوفیانہ کلام سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے کلام میں امن وامان، انسان دوستی،

مساوات اور رواداری کے گیت گائے ہیں ۔معروف شاعر وصوفی امیر خسرو نے اپنے کلام میں محبت امن وآشتی اور مشترکہ تہذیب کو پیش کیا ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے عباس علی رقم طراز ہیں:

اردو کے ابتدائے آفرینش سے ہی امیر خسرو نے اتحاد، یک جہتی، اشتراک و ہم آہنگی کی شراب سے اسطرح سرشار کر دیا ہے کہ اسکے آئینہ دل میں سب کو اپنا ہی چہرہ نظر آتا ہے۔اور اسکے نغمہ وسرور میں اپنے ہی دل کی دھڑکن سنائی دیتی ہے،،(قومی یکجہتی کے فروغ میں شعراء کا کردار، ڈاکٹر عباس علی حسن۔ص،۷۹)

دکن میں بھی اردو کے شعراء امن وامان، اخوت ومحبت کے گلستان کی آبیاری میں پیش پیش رہے اور انسان نوازی کا پختہ ثبوت فراہم کیا۔اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر قلی قطب شاہ کے دیوان میں جہاں ہمیں موضوعات کا تنوع نظر آتا ہے وہیں انکا کلام رواداری، امن وامان اور مساوات کی مثال بھی پیش کرتا ہے۔ مذہبی رواداری، اخوت ومحبت، امن وآشتی کے پرسرور نغموں کی گونج ہمیں نصرتی، غواصی، ابن نشاطی وغیرہ کے ہاں بھی سنائی دیتی ہے۔

اردو کے ممتاز شاعر ولی اورنگ آبادی کے دیوان میں بھی ہمیں اخوت ومحبت کے حسین وجمیل پھولوں کی خوشبو کا احساس ہوتا ہے۔انکے کلام سے بے گناہوں سے محبت اور ظالموں سے نفرت جھلکتی ہے۔ملاحظ ہو چند مثالیں ولی کے کلام سے۔

حق پرستی کا اگر دعوی ہے
بے گناہوں کو ستایا نہ کرو
ہر ایک سوں مل متواضع ہو سروری یہ ہے
سنبھال کشتی دل کو قلندری یہ ہے
(دیوان ولی)

درج بالا اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ولی کے یہاں ہمیں حق پرستی، انسان

دوستی اوراعلی انسانی اقدار کی کارفرمائی نظرآتی ہے۔دیوان ولی کا اثر انکے معاصرین پربھی ہوااور ولی کی طرز پرہی انہوں نے بھی رواداری اوراخوت کی روایت کو برقرار رکھا۔جن میں آبرو، ناجی، حاتم وغیرہ شامل ہیں۔

میرتقی میر،محمد رفیع سودا جیسے قدآور شعراء نے بھی اپنے پیش روشعراء کی اس روایت کو برقرار رکھتے ہوئے امن وامان ،اخوت ومحبت کے چمن کی آبیاری میں اہم کردارادا کیا۔کلام سودا سے ایک مثال ملاحظہ ہو۔

بے کس کوئی مرے تو جلے اس پہ دل میرا
گویا ہے چراغ غریبان کی گور کا
(کلیات سودا)

کلام میر سے چنداشعار پیش خدمت ہیں:

ہم نے مانا کہ واعظ ہے ملک
آدمی ہونا بہت مشکل ہے میاں
لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگاہ شیشہ گری کا
(کلیات میر)

اس دور کے دوسرے شعراء کے ہاں بھی ہمیں امن وامان کے عناصر دیکھنے کو ملتے ہیں ۔ بعد کے زمانے میں آتش ،ناسخ ،مصحفی ،غالب ،مومن خان مومن، ذوق، بہادرشاہ ظفر،وغیرہ نے بھی صلح کل ،امن وآشتی کی روایت کو زندہ وجاوید رکھنے کے لئے دیدہ ودل فرش راہ کر دیئے۔

مرزاغالب جواپنی خداداد صلاحتوں کے طفیل ہرمیدان میں غالب ہی رہے انھوں نے بھی اپنی شاعری میں اعلی اقدار کی ترجمانی کی ہے ۔انسان دوستی

،رواداری ،انسان نوازی اورامن وآشتی کے لئے ان کا کلام ایک زندہ مثال ہے۔انکے کلام سے ملاحظ ہو چند مثالیں:

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا
خاک میں ناموس پیمانہ محبت مل گئے
اٹھ گئی دنیا سے راہ و رسم یاری ہائے ہائے
وفا داری بشرط استواری اصل ایمان ہے
مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑھو برہمن کو
(دیوان غالب)

درج بالا اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ کلام غالب میں انسان دوستی ،وسعت نظری،عاجزی وانکساری،راہ ورسم یاری،محبت واخوت کا جزبہ کس قدرتوانا ہے۔

نظیرا کبرآبادی کواردوشاعری کے ایک درخشاں ستارے کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔انھوں نے اپنی شاعری میں مشترکہ تہذیب اورامن وامان کی روایت کو فروغ بخشا۔انکا قصرشاعری انسان نوازی،قومی یکجہتی ،محبت واخوت کی بنیادوں پر قایم ہے۔چناچہ وہ فرماتے ہیں:

جھگڑا نہ کرے ملت و مذہب کا کوئی یاں
جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آں
زنار گلے یا کہ بغل بیچ ہو قرآن
عاشق تو قلندر ہیں نہ ہندو نہ مسلمان
(کلیات نظیرا کبرآبادی)

۱۸۵۷ کا سانحہ اردوادب کی تاریخ میں فراموش نہیں کیا جاسکتا جس سے پورا ملک بدامنی کا شکار ہوا تھا۔جنگ وجدل قتل وغارت گری انسانی زندگی کا معمول بن

گیا تھا۔ایسے میں بھی اردو شعراء نے امن ومحبت اور ا یکتا کا پیغام دیا۔۱۸۵۷ کے حالات کو مدنظر رکھ کر علی گڑھ تحریک وجود میں آئی ۔یہی دور نظم جدید کے آغاز کا دور بھی آتا ہے۔جس میں محمد حسین آزاد اور حالی کی خدمات ناقابل فراموش ہیں ۔۱۸٦۸ میں کرنل ہال رائیڈ کے ہاتھوں انجمن پنجاب لاہور کی بنیاد رکھی گئی اور اس انجمن کے مشاعروں میں ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا گیا جن سے امن وامان ،رواداری ،آپسی بھائی چارگی ،انسانیت کے ماحول کو تقویت ملی اور باقاعدہ امن کے موضوع پر اس انجمن میں مشاعرے پڑھے گئے۔

علاوہ ازیں اکبر الہ آبادی ،اسماعیل میرٹھی ،داغ دھلوی وغیرہ کے کلام میں بھی انسانیت اور امن کا پیغام ملتا ہے۔

بیسویں صدی میں اردو شاعری کے افق پر کچھ نام مثل آفتاب چمکے جن میں علامہ اقبال کا نام سرفہرست ہے ۔انھوں نے اپنی بصیرت افروز شاعری سے پورے عالم کو محبت کی لڑی میں پرونے کی شعوری کوشش کی ۔انکی شاعری میں جہاں دین ودنیا کے اور بھی راز مضمر ہیں تو دوسری طرف انکے ہاں ہمدردی ،رواداری ،انسان دوستی کے فروغ کے لئے رہنما اصول بھی فراہم ہوتے ہیں ۔ملاحظ ہو کلام اقبال سے چند مثالیں:

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں
شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اسکا
یہ وہ پھل ہے جو نکلواتا ہے جنت سے بھی آدم کو
(کلیات اقبال)

ماضی قریب کے شعراء میں فیض احمد فیض،ساحر لدھیانوی،جوش ملیح آبادی،فراق گورکھپوری ،چکبست ،تلوک چند محروم،علی سردار جعفری،خلیل الرحمن

اعظمی وغیرہ نے بھی امن ومحبت کے گیت گائے۔

فیض کے کلام میں انسانی اقدار کی فراوانی، آپسی بھائی چارگی اور امن وامان کے عناصر جلوہ گر ہیں۔

ساحر لدھیانوی امن وامان، اخوت ومحبت کے شاعر ہیں۔ انکے کلام سے انسان دوستی کی گونج سنائی دیتی ہے۔ انھوں نے واضح طور پر یہ اعلان کیا ہے کہ امن ہی سے تہذیب وارتقاء کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ امن سے ہی ایک بہترین نظام کی تشکیل دی جاسکتی ہے۔ انھیں اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ تشدد وجنگ سے انسانی زندگی پامال ہوتی ہے۔ اور وہ کہہ اٹھتے ہیں۔

خون اپنا ہو یا پرایا ہو
نسل آدم کا خون ہے آخر
جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں
امن عالم کا خون ہے آخر
بر تری کے ثبوت کی خاطر
خون بہانہ ہی کیا ضروری ہے
گھر کی تاریکیاں مٹانے کو
گھر جلانا ہی کیا ضروری ہے

(کلیات ساحر لدھیانوی)

موجودہ عہد کی شاعری میں ہمیں زندگی کی رنگارنگی، داخلی تضادات، خوشی، غمی، جدوجہد کو ایک سمت دینے کی شعوری کوشش نظر آتی ہے۔ موجودہ شاعری نے زندگی کو ایک رخ عطا کرنے والی انسانی قدروں کی نشان دہی کی ہے۔

اگرچہ موجودہ عہد کی زندگی عجیب سی الجھن میں گھری ہوئی ہے۔ جس میں بے شمار کلچرس، گلوبلائیزیشن، سرمایہ داروں کی اجارہ داری، بدعنوانیاں، فرقہ واریت،

بے راہ راوی، رشوت خوری جیسی سماجی برائیوں نے اپنی جڑیں مضبوط کر لی ہیں لیکن اردو شاعری نے سماج کے اس کھوکھلے پن کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ اور پورے عالم کو محبت اور امن کی لڑی میں پرونے کی شعوری کوشش کی ہے۔

رواداری، تحمل اور تہذیب و شرافت
ہم اپنے دوستوں کو پانی پانی اب بھی کرتے ہیں
(اختر صدیق)

یہ عقدہ کھل نہیں پاتا ہماری کم نگاہی میں
کہ اپنے ہاتھ ہی شامل ہیں اپنی ہر تباہی میں
(عالم خورشید)

القصہ یہ کہ موجودہ عہد کی شاعری میں امن وامان ، رواداری اور انسانی اقدار کا بیان ملتا ہے۔ آج بھی اردو شاعری پوری انسانیت کو یہ آواز دیتی ہے کہ دنیا میں جنگ وجدل کے دیوتاؤں کو شکست دینے کے لئے، ظلم چنگیزی کی طویل رات کی سحر کے لئے سب کو متحد ہونا پڑے گا۔ اور پوری دنیا جنگ وتشدد کی گھوارہ بنی ہوئی ہے۔ اس دنیا میں امن کی شہنائیاں بجانے کے لئے اجتماعی کوشش نا گذیر ہے۔

امن عالم پیام خدائی میں ہے
آشتی حکمت انبیائی میں ہے
راز جس وقت دنیا یہ پا جائے گی
یہ زمین اپنے محور پہ آجائے گی
(سہیل احمد زیدی)

❖❖❖❖

اُردو زبان وادب میں امن کا پیغام

مشتاق احمد (صدیقی) ریسرچ اسکالر
جے۔این۔یو نئی دہلی (۱۱۰۰۶۷)

تہذیب کیا ہے وہ خود ہی جان جائیں گے
فقط!تم اپنے بچوں کو اُردو سکھا دو

ہندوستانی تہذیب کسی ایک مذاہب اور طرزِ معاشرت کی پیداوار نہیں بلکہ اس کی آبیاری مختلف مذاہب کے لوگوں نے ایک ساتھ مل کر کی ہے اور یہ ہندوستان کے وُسعتِ قلبی کی ہی وجہ ہے کہ یہاں مختلف قومیں ہمیشہ سے ہی شیر وشکر ہیں اور بیرونِ ممالک سے گرہوں کی شکل میں وارد ہوتی رہی اور اپنا ڈیرا ڈالتی رہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ نو آمدہ لوگوں نے یہاں کے باشندوں کے اور یہاں کے باشندوں نے نو آمدہ لوگوں کے مذاہیب ،قومیت، رنگ،نسل اور ذات پات کے خلاف احتجاج نہیں کیا بلکہ یہاں کہ باشندوں نے باہر سے آنے والے لوگوں کو اپنے تصورات اور اعتقادات کے باوجود حسنِ عملی سے متاثر کیا اور خود بھی متاثر ہوئے حتیٰ کہ سالہاسال ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے وہ اپنے طرزِ معاشرت اور مذہبی رسوم کو مدہم کر گئے ،اپنی شناخت بھول گئے اور یہاں کی تہذیب میں گھل مل گئے، گنگا جمنی تہذیب اپنی شناخت بنالی ۔اس نئی تہذیب کو عام کرنے میں مختلف گرہوں کے مختلف مراسم وتعلقات اور بود باش کے دیگر وسائل مثلاً جغرافیائی

وحدت،حکومت،اجتمائی رائے عامہ اور صوفی سنتوں کی تعلیم وغیرہ نے جہاں حصہ لیا وہیں اردو زبان وادب کا کردار نا قابلِ فراموش ہے۔اردو ایک زندہ زبان ہے عالمی امن واتحاد کی ایک بہترین مثال ہے جس نے صفحہ ارض کے ہر موڑ پر اتفاق واتحاد کا حسین فریضہ ادا کیا ہے۔عوام الناس میں مقامی زبانوں اور بولیوں کے بعد زبانِ شیرین کی حیثیت ہمیشہ سے ہی دوسری رہی ہے لوگوں کے ہاں مقامی زبانوں اور بولیوں کو عزیز رکھتے ہوئے اردو کو بھی اپنانا، برتنا اور شاعری کرنا ایک دلچسپ اور لسانی واقعہ ہے اردو نے ہمیشہ سے ہی سیکولیر روایات کی پاسیداری کی ہے کیفی اور کرشن بھی امام اردو ہوئے ہیں۔

۱۹۴۷ کا واقعہ ہے کہ ہندوستان میں اسمبلی الیکشن ہونا طے پایا اور حلقہ انتخاب انبالہ سے اسمبلی ٹکٹ کا مسلہ پیش آیا کہ ٹکٹ کسے دیا جائے بعض کانگرسی لیڈروں نے کہا کہ کسی سکھ اُمیدوار کو ٹکٹ ملنا چاہئے چوں کہ سکھوں کی آبادی دوسرے قبائل سے زیادہ ہے اجلاس میں موجود مشہور کانگرسی لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا حلقہ انبالہ سے خان عبدالغفار خان انبالوی کو ٹکٹ ملنا چاہئے اجلاس میں موجود تمام کانگرسی لیڈران نے اس بات پر منفی ردِعمل ظاہر کیا اور کہا کہ وہاں تو خان صاحب کے علاوہ مسلم ووٹ ہے ہی کوئی نہیں تو وہ کیسے اس (۱۹۴۷) سلگتے ہوئے ماحول میں کامیاب ہو پائیں گے بلآخر انہیں ٹکٹ دیا گیا اور وہ کامیاب بھی ہوئے مذکورہ واقعہ کو یہاں بیان کرنا دراصل نہرو کے اُس قول کی طرف اشارہ کرنا تھا جس میں انہوں نے (خان عبدلغفار خان کی حمایت کرتے ہوئے) کہا تھا کہ آپ لوگوں کو الیکشن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیئے اور منتخب اُمیدوار کو بھاری اکثریت سے کامیاب کرنا چاہیئے تاکہ پڑوسی مما لک پاکستان کو پتہ چل سکے کہ ملک کی تقسیم سے ہماری فطرت تقسیم نہیں ہوئی،تہذیب وثقافت تبدیل نہیں ہوئی، ہندو ،مسلم ،سکھ،عیسائی ایکتا اور بھائی چارگی کی فضاء آج بھی قائم ہے اور سیکولرزم زندہ

ہے۔اردو کے ہر بڑے ادیب نے عین موضوع پر کھل کر لکھا خان عبدلغفار خان بذاتِ خود اعلیٰ پایہ کے ادیب تھے،تاریخ آزادی کے سپوت تھے ۔اُن کی تحروں میں انسان دوستی کا گہرا تصور پایا جاتا ہے مختصرا یہ کہ قوم وملت وملک اور زبان ادب کی بے لوث خدمت کی ہے اور امن وآشتی کا پیغام دیا ہے۔ اُردو کے ہر بڑے ادباء،فضلاء،حکماء،امراء،شعراء اور فلسفی کی تحریروں میں امن کی گونج سنائی دیتی ہے چند ایک کا ذکر بطورِ خاص کیا جاتا ہے:

ڈاکٹر اقبال:

اُردو زبان وادب پر ڈاکٹر اقبال کے احسانات ناقابلِ فراموش ہیں۔ معاشرے میں انسانی قدروں کی بات ہو یا رشتوں کی پاسداری،خلوص ومحبت کی بات ہو یا انسان دوستی ،ایثار وقربانی کی بات ہو یا حق گوئی،تہذیب وثقافت ہو یا پھر دیگر مسائل،تمام موضوعات ڈاکٹر اقبال کے قلم میں زم ہو جاتے ہیں بقول اُن کی انسانی زندگی شعلہ کی مانند ہونی چاہئے۔فلسفہ خودی کی تکمیل کرتے ہوئے اجتمائی نظام اور جماعتی ضبط وآئین کے پیرو کار رہے۔انفرادی اور اجتمائی زندگی کا نظام غیر متوازن انداز میں ترقی پذیر ہوتا رہا لہذا ہمارا یہ اخلاقی اور سماجی فرض ہے کہ ہم نظامِ زندگی کی مادی ترقی کے اس پہلو پر غور کریں جو متوازن ہو اور ہر اعتبار سے سود مند ثابت ہو۔

کرشن چندر:

ایشیا کا سب سے بڑا قلم کار کرشن چندر کا مسلک سوشلیزم تھا۔اس لئے وہ ہمیشہ اپنے افسانوں کے ذریعے اس خیال کا اظہار کرتے رہے کہ انسان کی زندگی میں ایک دن بہار ضرور آئے گی بشرطیکہ انسان اشترا کی نظام کی بنیاد رکھ لے جس میں ہر انسان معاشی اعتبار سے یکساں ہو،مزدوروں،کسانوں اور غریبوں کو ان کا حق مل جائے،کمزوروں پر کوئی ظلم وزیادتی نہ ہو،خواتین کا احترام کیا جائے گو وہ اس

بات کے خواں تھے کہ دنیا سے جنگ اور فساد ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے دنیا کا ہر انسان معاشی اور سماجی طور پر یکساں ہوجائے غرض ان کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔

سراج اورنگ آبادی:

سراج اورنگ آبادی، ولی کے بعد اور دورِ میر وسودا سے پہلے کے سب سے بڑے شاعر ہوئے ہیں جن کی پرُ گوئی، خوش طبع اور رنگِ سخن کو کوئی دوسرا انہیں پہنچ سکا، عشق کے بعد اُن کی شاعری کا موضوع تصوف واخلاق وفلسفہ ہے۔واردات قلبیہ میں راگ جگاتے ہیں جہاں مذہبی اور انسانی تجربات مل کر ایک ہوجاتے ہیں جن سے انسان کو درسِ اخلاق ملتا ہے۔

غالب اسداللہ خان غالب:

غالب کی شخصیت اور شاعری پر گفتگو کرنے کے لئے یادگارِ غالب اب بھی سب سے پہلا معتبر اور گہری تنقیدی بصیرت کا حامل ہے۔غالب آفاقی شاعر تھے انھوں نے غور وفکر کی دعوت دی تا کہ انسان اپنا محاسبہ کر سکے غالب کا کلام ہر خاص وعام کو پسند ہے اور انُ کے پورے کلام میں امن کا پیغام ملتا ہے۔

پریم چند:

پریم چند اُردو افسانے کی پوری تاریخ میں ایک اہم مقام کے مالک ہیں۔انہوں نے سب سے پہلے اردو کے افسانوی ادب کا رشتہ زمین سے جوڑا اور ہندوستان کی دیہی زندگی کے مسائل کو افسانوں کا موضوع بنایا۔وہ افسانوی ادب جو محض بادشاہوں، شہزادوں، مافوق الفطر عناصر اور جادُوگروں وغیرہ تک ہی محدود تھا اس میں پہلی بار گاؤں کے مسائل، عام انسانوں کے دُکھ، درد، غم اور خوشی کے مناظر بھی دیکھنے کو ملے۔افسانہ کفن اور ناول گئودان مذکورہ بات کی روشن دلیل ہیں۔

فورٹ ولیم کالج:

یہ ادارہ اپنی منفرد پہچان کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہے گا اگر بات کی جائے امن کی تو یہ وہی ادارہ ہے جہاں اپنے اور پرائے ایک ساتھ گھل مل گئے تھے۔

دلی اسکول:

شاعری اپنے عہد کے طرزِ تمدن اور طرئقہ فکر کی آئینہ دار ہوتی ہے۔دہلی میں جو تمدن عہدِ مغلیہ میں جاری تھا وہ اسلام کے تنزل کے دور کا تمدن تھا جس میں خوبیاں کم اور برائیاں زیادہ تھیں جو تعلیم کی کمی اور افلاس سے پیدا ہوئیں تھیں مثلاً خودغرضی،حرص،لالچ اور جھوٹ تھا تو دوسری طرف قناعت،خوفِ خدا،دنیا کی بے ثباتی اور فنا کی تعلیم وغیرہ۔اصل میں معاشرہ عشق تعلیم کو صحیح ڈگر پر نہ رکھ سکا جس کی وجہ سے عقائد،رسوم،معاشرت اور معشیت پر مضوعی رنگ چڑھ جانے کے باعث شاعری میں دونوں خصوصیات شامل ہوگیئں ۔

دبستان لکھنو:

لکھنو کا عیش پرستانہ ماحول پورے ادب میں ایک الگ پہچان رکھتا ہے۔لوگوں کے ہشاس بشاس چہرے اور مسکراتے لب،اس اسکول کے ادب کی خاص پہچان ہیں۔

علی گڑھ تحریک:

علی گڑھ تحریک کا مقصد ہی فرد اور سماج کی اصلاح تھا سرسید کا خیال تھا کہ جب فرد اور سماج کی صحیح اصلاح ہوگی تب تمام وہم وگماں اور برائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور معاشرہ امن کا گہوارہ بن جائے گا اس تحریک کے زیرِ اثر فروغ پانے والے پورے ادب میں امن کی گونج سنائی دیتی ہے۔

ترقی پسند تحریک:

۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب نے یہ حقیقت روش کر دی تھی کہ مشقت کرنے

والے فولادی ہاتھ اگر متحد ہو جائیں تو ظالموں کی مضبوط سے مضبوط حکومت بھی اُن کے آگے ٹک نہیں سکتی چناچہ ۱۹۳۳ء میں ہٹلر کے آمرانہ رویے نے دنیا بھر کے دانشوروں اور ادیبوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اب مظلوموں کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہونے کا وقت آ گیا ہے اس سیاسی بحران اور جنگِ عظیم کے آثار نے پورے یورپ میں ایک ہل چل مچا دی تھی جس کا اثر ہندوستانی طلباء پر بھی پڑا جوان دنوں یورپ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے ان نوجوانوں نے ایک حلقہ بھی بنایا تھا جس کا باضابطہ طور پر ایک منشور بھی تھا۔ اس منشور میں یہ بات سرِ فہرست تھی کہ ایسا ادب تخلیق کیا جائے جو توانا اور صحت مند ہو، جانب دار ہو اور انجام طربیہ ہو جس سے ہم تہذیبی پسماندگی مٹا سکیں۔

حلقہ اربابِ ذوق:

یہ حلقہ ادب برائے ادب کا حامی تھا اس حلقہ سے منسلک تمام حامیوں کا خیال تھا کہ ہر انسان خوش رہے۔ حجازی، تابش، نظیر، اقبال، فاضل اور غنی وغیرہ اس تحریک کے اہم نام ہیں۔

۱۹۴۷ کا بٹوارہ:

اُردو کے پورے ادب میں اس بٹوارے کی تردید کی گئی ہے۔ اس بٹوارے سے برصغیر ہند و پاک کو جو نقصان ہوا وہ کسی سے بھی ڈھکی چھپی بات نہیں، رشتوں کا تقدس جس طرح سے پامال ہوا وہ زخم آج بھی ترو تازہ ہیں اور نفرتوں کی جو دیواریں کھڑی کی گئیں وہ آج بھی کھڑی ہیں:

شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں
کیا آس لگائے بیٹھے ہو

جدیدیت کی تحریک:

ادب میں جدیدیت کا مفہوم کہ شاعر و ادیب روایت سے کچھ پسندیدہ عناصر

چن لے اور انہیں حال کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرے جس میں رویت کی جکڑ بندیوں اور مجہول اقتدار کی پرشش کا کوئی سوال نہ ہو۔شاعر اور ادیب اپنے خیالات کا اظہار کھلے طور پر کر سکے۔

مختصر یہ کہ اُردو کے پورے ادب میں امن کی گونج سنائی دیتی ہے اُردو کی پیداوار ہی قیامِ امن کی واضح دلیل ہے انگریزوں نے بھی اس زبان کو اسی لئے گلے لگایا تا کہ ہر انسان کے احساسات ،جذبات اور خیالات کو با آسانی سمجھا جا سکے۔ اُردو ایک شیریں زبان ہے عالمی امن واتحاد کی بہترین مثال ہے جس نے صفحہ ٔارض کے ہر موڑ پر امن واتحاد کا ایک حسین فریضہ انجام دیا ہے۔

❖❖❖❖

اردو زبان وادب اور عالمی امن

شاہد اقبال
ریسرچ اسکالر، شعبہ اردو
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

معروف امریکی ماہر لسانیات ونفرڈ پی نے دنیا کی تمام زبانوں کو سات لسانی خاندانوں میں تقسیم کیا ہے۔ ہند یورپی ان تمام خاندانوں میں سب سے بڑا لسانی خاندان ہے۔ اردو زبان کا تعلق بھی بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر اسی لسانی خاندان سے ہے۔ یہ زبان اپنی شائستگی، شگفتگی، سلاست اور روانی جیسی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اپنے سحر طراز لب ولہجہ کی وجہ سے پوری دنیا کو خلوص ومحبت اور امن واتحاد کا پیغام دیتی ہے۔ عصر حاضر میں عالمی امن کا موضوع کافی نازک اور پیچیدہ ہو چکا ہے۔ کیونکہ دنیا کے تمام ممالک میں امن اور خوشحالی کا فقدان ہے ہر طرف انتشار اور افراتفری کا بازار گرم ہے۔ جہاں تک زبان وادب کا تعلق ہے دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جو امن واتحاد کا پیغام نہیں دیتی۔

یہ ایک فطری اصول ہے کہ کسی بھی زبان کا شاعر یا ادیب اپنے گرد ونواح جو کچھ دیکھتا ہے اسے اپنی تخلیقات میں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ سماجی واخلاقی اقدار کو بھی بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ زبان بنیادی طور پر ایک وسیلہ اظہار ہے لیکن جب وہ کسی مخصوص علاقے، ریاست یا ملک کی نمائندگی کرتی ہے تو وہ اس علاقے یا ملک کی سیاسی وسماجی اور تہذیبی وثقافتی سرگرمیوں کی بھی آئینہ دار بن جاتی

ہے۔

کسی ملک میں امن اسی وقت قائم ہوسکتا ہے جب اس کی بنیادیں مضبوط و مستحکم اوراعلیٰ سماجی و اخلاقی اقدار پر قائم ہوں اور باشندگان ملک بھی ان اقدار پر روبہ عمل ہوں۔ اس کے بعد ہی اس ملک کا ادب امن و اتحاد کو فروغ دے سکتا ہے۔تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ روز اول تا حال عالمی سطح پر کبھی مکمل طور پر امن قائم نہیں ہوالیکن زبان وادب نے ہمیشہ انتشار وانحطاط کے خلاف آواز بلند کی اور غیر اخلاقی سماجی رویوں کو سماجی اخلاقیات سے روشناس کرانے کی کوشش کی یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

دنیا کی دیگر بڑی زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو زبان نے بھی قومی یکجہتی کو بر قرار رکھنےمیں کار ہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔اردو ادب میں عالمی امن کے نقوش اجاگر کرنے سے قبل راقم الحروف نے ریاست جموں وکشمیر کے حوالے سے اردو زبان کے گنگا جمنی کردار کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔مثلاً یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کی دیگر زبانوں میں سے کوئی بھی زبان ریاست کے تینوں صوبوں ،جن میں مختلف مذاہب اورعقائد کے ماننے والے لوگ رہتے ہیں،کو متحد نہیں رکھ سکتی۔اس لئے اردو زبان ہی ریاست کے تمام حلقوں میں ربط اوراتحاد پیدا کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔اپنی اسی انفرادیت کی بنا پر یہ زبان گنگا جمنی تہذیب کی بھر پور نمائندگی کرتی ہے۔ریاست میں امن واتحاداوراخلاص ومحبت کے جو کارنامے انجام دے رہی ہے انھیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔اردو زبان کے اسی مخلصانہ اوردل افروز رویے سے متاثر ہوکر خواجہ الطاف حسین حالی نے کیا خوب فرمایا ہے۔ملاحظہ کیجیے ؎

شہد و شکر سے شیریں اردو زباں ہماری
ہوتی ہے جس کے بولے میٹھی زباں ہماری

اس حوالے سے ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ ہندوستان کی قومی زبان اگر چہ ہندی ہے لیکن عام بول چال میں اردو زبان ہی مستعمل ہے۔ یہاں اردو اور ہندی کا تقابل نہیں کیا جا رہا بلکہ اردو زبان کے اس مخصوص اور ہر دلعزیز لب و لہجے کی طرف اشارہ کیا ہے جو بلا تفریق مذہب و ملت عوام الناس میں سرایت کر چکا ہے۔ اس حقیقت سے ہندوستان کا ہر شہری آشنا ہے اور ہندوستان میں بنائی جانے والی فلمیں اس کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ لیکن زبانوں کو ہم نے مذہب و ملت کا لبادہ پہنا دیا ہے اس لئے مذکورہ حقیقت کو قبول کرنا عوام کے لئے مشکل ترین کام بن گیا ہے۔ اردو زبان کی مرکزیت و انفرادیت اور اس کے بلند مقام کا اعتراف کرتے ہوئے اردو کے نامور نقاد پروفیسر گوپی چند نارنگ ہندوستان کے نمائندہ انگریزی اخبار ''ٹائمز آف انڈیا'' میں اسے ہندوستان کا لسانی تاج محل قرار دیتے ہیں۔ اس حوالے وہ رقمطراز ہیں:

"urdu belongs niether to muslim nor hindu,it will survive so long as india remains multicultural, urdu's sophistication and charm captivate everyone that's why I call urdu india's linguistic taj mahal"

گوپی چند نارنگ کے اس خیال کی وضاحت قیصر شمیم کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے ؎

میرا مذہب عشق کا مذہب جس میں کوئی تفریق نہیں
میرے حلقے میں آتے ہیں تلسیؔ بھی اور جامیؔ بھی

زبان چاہے کوئی بھی ہو اس کا تعلق کسی مخصوص جماعت، مذہب یا گروہ سے نہیں ہوتا بلکہ سماجی ضروریات کی بنا پر اس کا وجود عمل میں آتا ہے۔ جب اس کے بولنے اور سمجھنے والے کثیر التعداد ہو جاتے ہیں تو اس میں ادب تخلیق کیا جانے

لگتا ہے جو مذہب وملت کو بالاے طاق رکھ کر عوام کے تمام بنیادی مسائل کو منظر عام پر لاتا ہے۔

اسی طرح اردو زبان نے ابتدا تا حال کسی ایک مخصوص طبقے کی نمائندگی نہیں کی بلکہ اس کی دور بین اور دوررس نگاہ ہمیشہ عالم انسانیت پر رہی ہے۔ اردو زبان کے اسی غیر جانبدارانہ کردار کی نمائندگی ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی اور دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے وہ تمام شعرا اور ادبا کرتے ہیں جنھوں نے ذریعہ اظہار کے لئے اردو زبان ہی کا انتخاب کیا۔ عصر حاضر میں پوری دنیا جنگ وجدل، قتل وغارت، انتشار، بدامنی اور بے شمار نفرت انگیز لڑائی جگڑوں سے دوچار ہے۔ اردو شعر وادب نے ان تمام نامساعد حالات اور نفرتوں کے خلاف احتجاج درج کیا اور نفرتوں کے اس ماحول میں خلوص ومحبت کا چراغ روشن کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

کیسا اس نفرت کے سناٹے میں گھبراتا ہے دل
اے محبت کیا تیرے ہنگامہ آرا سو گئے

یہ شعر محض کسی ایک ملک یا شہر کے پر آشوب ماحول کی داستان نہیں بلکہ پوری دنیا میں آج نفرتوں کا جو بازار گرم ہے اسے جڑ سے اکھاڑنے اور ایک جذبہ محبت پیدا کرنے میں محونظر آتا ہے۔ کسی بھی اخلاقی یا غیر اخلاقی نظریے کا آغاز دراصل سماج سے ہوتا ہے پھر سماج کے اراکین وقتاً فوقتاً ان نظریات پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی گھر کے افراد آپس میں دشمنی اور رنجش کی تمام حدود سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اولاد اپنے والدین کو بھول جاتی ہے، بھائی بھائی کا دشمن بن جاتا ہے، میاں بیوی کی لڑائی فوراً طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح ایک متحد اور خوشحال گھرانہ دشمنی، رنجش اور سازشوں کی بنا پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ اردو زبان نے معاشرے کے اس المیے کو بھی بے نقاب کیا ہے اس حوالے سے مخمور سعیدی کا یہ

شعر غور طلب ہے ؎

کتنی دیواریں اٹھی ہیں ایک گھر کے درمیان
گھر کہیں گم ہو گیا دیوار و در کے درمیان

اردو زبان کو جب ہم عالمی تناظر میں دیکھتے ہیں تو کہیں جارج فلیکس، مورس جان اور ڈاکٹر مسیح یوسف یاد جیسے ادیب نظر آتے ہیں اور کہیں ولی، میر، درد، سودا، غالب، ذوق، آتش، مومن اور نسیم وغیرہ جیسے کئی اکابر شعرا محفل سخن آراستہ کیے بیٹھے ہیں۔ کہیں منشی پریم چند، منٹو، بیدی، کرشن چندر، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین شر پسند عناصر کے خلاف احتجاج اور ایک پر امن معاشرہ قائم کرنے میں سرگرم نظر آتے ہیں۔ اگرچہ اردو زبان کا آغاز ہندوستان میں ہوا لیکن اردو زبان و ادب نے پوری دنیا میں امن و اتحاد کا پیغام دیا۔ ابتدائی ایام کے اردو ادب پر مذہبی نقوش دیکھنے کو ملتے ہیں لیکن اس دور کے ادب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہندو اور مسلم تصوف کا حسین ترین امتزاج نظر آتا ہے۔ اس طرح ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اردو زبان اپنے آغاز سے ہی قومی یکجہتی کی ترجمان رہی ہے۔ اس دور کی اردو شاعری پر اگرچہ تصوف کا رنگ غالب ہے لیکن تصوف کے اس مخصوص رنگ میں بھی وہ پیار و محبت کا پیغام دے کر اپنی بوقلمونی کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ تصوف کے اس رجحان کے بعد اردو شاعری جب ادب برائے زندگی کی نمائندگی کرنے لگی تو اس نے سماج کو غیر اخلاقی عناصر سے مبرا کرنے میں کار ہائے نماں انجام دیے۔ اور ہمیشہ خلوص و محبت کا درس دیتی آئی ہے۔ آفاق صدیقی اردو زبان کے اس مخلصانہ پیغام کو اردو شاعری میں کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں ان کے اشعار ملاحظہ کیجیے ؎

دیدہ و دل کی رفاقت کے بغیر
فصل گل ہو یا خزاں کچھ بھی نہیں

ایک احساس محبت کے سوا
حاصل عمر رواں کچھ بھی نہیں

مذکورہ بالا اشعار کو کسی مخصوص علاقے یا سماج تک محدود نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان میں عالم انسانیت کو بھائی چارے اور انسان دوستی کا بیش قیمتی پیغام دیا ہے۔ عالمی سیاست میں آج جو ہنگامہ برپا ہے اردو شاعری نے اس کی مزمت کرتے ہوے انسان کو انسانیت کی بنیاد پر متحد کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر راحت اندوری کا یہ شعر قابل داد ہے ؎

ملانا چاہا ہے انساں کو جب بھی انساں سے
تو سارا کام سیاست بگاڑ دیتی ہے

اردو کے شعرا جب مذہب و ملت کے نام پر قتل و غارت کا سانحہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو وہ اس تفریق کو جڑ سے ختم کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اکبر الہ آبادی کا یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

کہتے ہیں کہ اگر مذہب خلل ہے ملکی مقاصد میں
تو شیخ و برہمن پنہاں رہیں دیر و مساجد میں

مذہب و ملت کی یہ تفریق جب انسانوں میں فاصلے بڑھا کر انھیں سرحدوں تک محدود کرنے لگتی ہے تو اردو کے ادیب اور شاعر بلا تفریق مذہب و ملت ان فاصلوں کو مٹانے اور انسان دوستی کا درس دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جس کی وضاحت کنول ضیائی کے اس شعر سے ہوتی ہے ؎

ہمارا خون کا رشتہ ہے سرحدوں کا نہیں
ہمارے خون میں گنگا بھی ہے چناب بھی

آج پوری دنیا میں جو ہنگامہ برپا ہے انسان خود اس کے لئے ذمہ دار ہے۔ اس کے مادہ پرست ذہن نے انسانیت کو مادیت، مذہب، قوم، ملک اور شہر کی

بنیادوں پر بانٹا اور اب انسان اپنی ان نا قابل تلافی بداعمالیوں کے خوفناک نتائج دیکھ رہا ہے۔ امن وشانتی قائم رکھنے کے لئے کئی قومی اور بین الاقوامی ادارے بھی قائم کئے گئے ہیں ان اداروں میں اولاً تو عدل وانصاف کا فقدان ہے اور اگر ان میں سے کوئی انسانی مساوات کی بات کرے بھی تو اسے عملی جامہ نہیں پہنایا جاتا۔ اس طرح انسان نے دنیا کو ایک تماشا گاہ بنا رکھا ہے۔ تفریق ونفرت کی بنیادیں اس قدر مستحکم ہو چکی ہیں کہ انھیں ناتواں بنانے کی تمام کاوشیں بے سود نظر آتی ہیں۔ اس حوالے سے مجتبیٰ حسین کے ایک طنزیہ مضمون ''ہوٹل شبانہ'' کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

دنیا کا بڑے سے بڑا مسلہ اس ہوٹل میں پہنچ کر چھوٹا ہو جاتا ہے۔ کئی پیچیدہ بین الاقوامی مسائل کے بارے میں یہاں کٹھا کھٹ فیصلے صادر کئے جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے ان فیصلوں پر عمل کوئی نہیں کرتا۔ مرزا کہتے تھے کہ جب دنیا اقوام متحدہ کے فیصلوں پر عمل نہیں کرتی تو ہوٹل شبانہ کے فیصلوں کو کون سنے گا۔

اردو زبان کے ادیبوں نے ادب کے ذریعے انسان کو ہمیشہ ظلم وتشدد کے خلاف آواز بلند کرنے اور امن وانصاف پر قائم رہنے کی تلقین کی ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی ملک کی ترقی اور خوشحالی کا انحصار اس کی سیاست اور حکومت کے اراکین پر ہوتا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قومی ترقی میں سب سے اہم اور متحرک کردار ملک کے عام شہری کا ہوتا ہے۔ اردو زبان وادب نے انسان کو خودشناس اور خوددار بنانے کے ساتھ ساتھ اسے اپنی فلاح کے لئے از خود فکرمند بنانے میں مرکزی رول ادا کیا ہے جس کی وضاحت سرسید احمد خان کے ایک مضمون ''اپنی مدد آپ'' کے اس اقتباس سے ہوتی ہے

قومی ترقی مجموعہ ہے شخصی محنت، شخصی عزت، شخصی ایمانداری، شخصی ہمدردی کا۔ اسی طرح قومی تنزل مجموعہ ہے شخصی سستی، شخصی بے عزتی، شخصی بے ایمانی شخصی خود

غرضی اور شخصی برائیوں کا۔

اردو شعروادب نے جنگ وجدل اور انتشار کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے انسان دوستی اور امن واتحاد کا پیغام دیا ہے۔ اردو ادب میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن کی تفصیل اس مختصر مقالے میں پیش نہیں کی جاسکتی البتہ یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ ۲۰۱۳ میں اردو کے معروف افسانہ نگار انتظار حسین کی ادب کے سب سے بڑے انعام یعنی عالمی ادب ایوارڈ بوکر (BOOKER) کے لئے نامزدگی سے عالمی ادب میں اردو زبان وادب کی اہمیت وافادیت کا تخمینہ لگایا جاسکتا ہے۔ اردو نثر میں ایسی بے شمار تحریریں موجود ہیں جو اپنی وسعت ومقبولیت کی بنا پر دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں ترجمہ کی گئیں اردو افسانہ نگاری کے بنیاد گذار منشی پریم چند کا مشہور افسانہ ''کفن'' اس کی زندہ جاوید مثال ہے۔ میں اپنے مقالے کا اختتام اردو زبان کے اس اعلیٰ اخلاقی پیغام پر کرتا ہوں جس میں مولانا الطاف حسین حالی فرماتے ہیں ؎

یہی ہے عبادت یہی دین و ایمان
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انسان

❖❖❖❖

علامہ اقبال کی نظر میں عالمی امن

بیگ امتیاز یوسف
ریسرچ اسکالر جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
نگراں: ڈاکٹر خالد مبشر

''زبان'' ''بولنا وہ امتیازی وصف ہے جو اِنسان کو حیوانات اور دوسرے ارضی مخلوقات سے ممیز کرتا ہے۔'' (تفہیم القران)

زبان وادب کسی بھی نظریہ، انقلاب، تحریک، رجحان، کے نشر واشاعت میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ انسان کا امتیازی وصف ہی یہ ہے کہ وہ بولنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

دراصل انسان اس کائنات کا مرکزی محور ہے۔ یہ کائنات اور اس میں موجود ہر شے انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ انسان زمین وآسمان کے لئے نہیں بلکہ یہ جہاں انسان کے لئے بنایا گیا ہے۔

نہ تو زمیں کے لئے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں ہے جہاں کے لئے

انسان اور دوسری مخلوقات میں نمایاں فرق وتفاوت زبان وبیان وقلم کا ہے۔ کیوں کہ انسان کو اتنی بلندی اور عظمت بخشی گئی ہے کہ فرشتوں کو بھی مسخرّ ہونے کا حکم دیا گیا۔

زبان و بیان وقلم کے جوہر ہی سے انسان نے آفاقی پیغام کی تشہیر وتفہیم کا فریضہ انجام دیا۔ زبان وقلم ہی کے ذریعے انسانوں کی رہنمائی کے صحیفے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اور انسانوں کے اذہان وقلوب کو متاثر کرنے کا یہ واحد ایک ذریعہ ہے۔ اور کسی پیغام کی ابدیت وبقا کی ضامن زبان وقلم ہی ہے۔

انسان دوسری مخلوقات کی طرح حیوانِ محض نہیں بلکہ جسم وروح کے امتزاج سے تمام مخلوقات سے اشرف ہے۔ اس کے ساتھ ہی شعور وادراک ووجدان انسان کو حیوانات سے ممیز کر دیتا ہے۔ گویا انسان حیوانِ عاقل ہے۔ لیکن بنیاد روح ہے جو انسانی وجود کو نمایاں اور امتیازی شان وعظمت وانفرادیت کی حامل ہے۔ جس طرح انسان جسم وروح کے امتزاج پر مشتمل ہے اسی طرح انسان کی سرشت میں مثبت ومنفی رجحان کا امتزاج بھی پایا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر انسان کے اندر بھلائی اور برائی کا امتیاز بھی ودیعت کر دیا گیا ہے۔ (یہی امتیاز انسان کو فرشتے سے منفرد بنا دیتا ہے)۔

یعنی انسان کی یہی امتیازی خصوصیت فرشتے سے فزوں تر ہے۔ گویا انسان اور فرشتے میں نمایاں فرق نفس کا ہے۔

انسانی تاریخ کے ہر دور میں تمام پریشانیوں، جنگ و جدل، مصائب و مشکلات، بے چینی، قنوط و یاس کی جڑ انسانی نفس بالفاظ دیگر واضح تر انسانی اختیار بھلائی و برائی ہے۔

انسانی زندگی کو پریشانی سے امن کی طرف لانے کے لئے ہر زمانے میں مختلف النوع نظریات وجود میں لائے گئے۔ انسان قبائلی زندگی سے نکلا تو بادشاہت کے شکنجے میں جکڑا گیا۔

انسان تہذیب وتمدن کے ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آگے بڑھا تو بادشاہت کا دور کچھ عرصے تک چھایا رہا۔ اس کے بعد ''بادشاہت سے نجات حاصل کی اور

جمہوریت کو اپنایا تا کہ انسان پر انسان کی حاکمیت ختم ہو، انصاف میسر آئے، مگر جمہوریت کی منزل سراب ثابت ہوئی اور ایک دفعہ انسان پھر سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کی لعنت میں گرفتار ہو گیا۔ اب سرمایہ دار اس کے آقا اور ڈکٹیٹر بن گئے۔ اس لعنت سے نجات کے لئے اُس نے کمیونزم (Communism) کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر یہاں بھی متعلقہ پارٹی کی آمریت (One Party Dictatorship) اس کی منتظر تھی۔ گویا 'رست از یک بند تا اُفتاد در بندے دیگر' یعنی ایک مصیبت سے نجات پائی تھی کہ دوسری آفت میں گرفتار ہو گئے۔''

زمانے کے ساتھ ساتھ نظریات وخیالات بدلتے رہے اور انہیں ادب کے ذریئے لوگوں تک بھی پہچایا گیا۔ چونکہ ہر ادب پارہ اپنے زمانے کا پروردہ ہوتا ہے۔ فن کار اپنے زمانے کے نشیب وفراز سے متاثر ہو کر ہی ادب تخلیق کرتا ہے۔ اور خاص طور پر ملک کا سیاسی، معاشی اور سماجی نظام انسان کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے اور یہیں سے مسائل بھی کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ مسائل اس لئے پنپتے ہیں کہ انسان کسی بھی اختراع کردہ انسانی نظریات و نظام ہائے زندگی سے مطمئن نہیں۔ کیوں کہ ہر انسانی نظریے میں امن وانصاف وعدل کا فقدان پایا جاتا ہے۔

جس طرح انسان نے تمدنی ترقی کی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے بادشاہت سے نجات حاصل کرنے کے لئے کمیونزم کا نظام پیش کیا۔ اور اشتراکی نظام کی بنیاد پر ہی ''ترقی پسند ادبی تحریک'' وجود میں آئی۔ اس تحریک نے اشتراکی نظام کی افہام وتفہیم میں اہم رول ادا کیا۔ گویا ترقی پسند تحریک نے ادب کے ذریعے کمیونزم کو فروغ دینا چاہا تا کہ دنیا میں امن قائم ہو جائے۔ مگر یہ نظام بھی سراب ثابت ہوا۔

موجودہ دور میں ''بے دینیت جمہوری قومی ریاست'' کا تصور کارفرما ہے۔ یعنی موجودہ نظام ان تین اصولوں پر منحصر ہے۔ یہ اصول اس لئے اخذ کئے گئے تا کہ

انسان کو امن و انصاف میسر آئے لیکن تا ہنوز دشت و بربریت اور قتل و غارت گری کے بازار گرم کئے جا رہے ہیں۔

جب بھی انسان سوز مظالم ڈھائے گئے اور اجتماعی جنگ وقتال و افراتفری کے واقعات رونما ہوئے تو ہر ادیب و شاعر نے ادب کے ذریعے اس کی مذمت بھی کی اور ان مشکلات سے نکالنے کے لئے نئے نئے نظریات و خیالات کا اظہار بھی کیا۔

بیسویں صدی کے ایک عالمگیر شہرت یافتہ شاعر و مفکّر و مدبّر حضرت علّامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے بھی اپنی شاعری اور نثر کے ذریعے امن و انصاف کا پیغام دیا۔ علامہ اقبال نے متذکرہ بالا تمام نظریات و تصوّرات کو انسانی پریشانی و مصائب کی جڑ قرار دیتے ہوئے اسلام کے آفاقی نظریہ کی ترجمانی اپنی شاعری کے ذریعے کی۔

بہرصورت عالمی امن، عالمی نظام کے قیام ہی سے قائم ہوسکتا ہے۔ ایک ایسا نظام جو آفاقی وسعتیں رکھتا ہو۔ جس کی جڑیں زمین کے اندر مضبوطی کے ساتھ پیوست اور شاخیں آسمان سے چھوتی نظر آتی ہوں۔ (**اَصلُھا ثابت وفرعھا فی السمآء۔**)

جس طرح ترقی پسندوں نے اشتراکیت کو ادب کے ذریعے فروغ دیا اسی طرح علامہ اقبال نے بھی اپنی شاعری کے ذریعے اسلام کی ترجمانی کی۔ اگرچہ اقبال نے اسلام کے علاوہ دوسرے علوم وفنون پر بھی اظہار خیال کیا۔ لیکن یہاں اقبال کی مجموعی فکر کے ضمن میں بحث کی جا رہی ہے۔ جس کا اقبال نے خود بھی اعتراف کیا ہے کہ شاعری اور اقبال کا کیا تعلق میں نے تو شاعری کو لوگوں تک اپنا پیغام پہنچانے کا ایک ذریعہ بنایا۔ تو معلوم ہوا کہ اقبال ایک فلسفی و مفکر و مدبّر تھے نہ کہ شاعرِ محض۔ ایک بڑے شاعر کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ کسی نظریہ و فکر کی ترجمانی

شاعری کے ذریعے کرتا ہے۔اور ادیب نثر کے ذریعے۔

اولاً علامہ اقبال نے بھی ایک مخصوص اور محدود وطنیت کا تصوّر پیش کیا لیکن بعد ازاں اس محدود تصوّر سے ماورا ایک آفاقی پیغام سے دنیا کو متعارف کراویا۔ علامہ نے قومیت، وطنیت، جمہوریت، لادینیت کی نفیٔ کلّی کر دی۔

اقبال نے مغربی تصوّرات و نظریات کا بغور مطالعہ کیا اور پھر ان پر تیشہ بن کر گرے۔ اقبال نے مغرب میں جا کر ان تصوّرات کو پڑھا اور سمجھا اور بعد ازاں انکی تنقیض کر دی۔ اقبال جمہوریت کے متعلق کہتے ہیں۔

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اور ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' میں شیطان کی زبان سے مغربی نظریات کو واشگاف کر دیا۔

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خودشناس و خود نگر

اور

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک کر

اقبال نے جمہوریت کے اندرون کو ''چنگیز سے تاریک تر'' سے تعبیر کیا اور کہا کہ جمہوریت اور کچھ نہیں فقط شاہی کا جمہوری لباس ہے۔

اقبال نے سیکولرازم کو عالمی امن کے لئے خطرے کے طور پر پیش کرتے ہوئے اسے بھی چنگیزیت سے تعبیر کیا۔ اقبال نے سیکولرازم کو یوں فاش کیا۔

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے

نظم ''لادین سیاست'' میں اقبال فرماتے ہیں کہ

میری نگاہ میں ہے یہ سیاست لادیں
کنیز اھرمن ودوں ہناد و مردہ ضمیر
ہوتی ہے ترک کلیسا سے حاکمی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیو بے زنجیر

علامہ اقبال نے وطنیت وقومیت کوبھی فسادات و پریشانیوں کی اصل جڑ قرار دیا ہے۔

ایک زمانے میں اقبال نے وطن کے ہر ذرّے کو دیوتا کہا تھا لیکن قلب ِماہیت کی انتہا یہ ہے کہ وہی اقبال وطن کو سب سے بڑا بُت قرار دے کر یوں فرماتے ہیں۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے ''وطن'' ہے جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے اوراسی سے اقوام جہاں میں امن کا فقدان ہے۔اب وطنیت کی تباہ کاریوں سے اقبال یوں آشنا کیا ہے۔

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

اقبال نے تمام مغربی تصوّرات کو پریشانیوں کی اصل وجہ بتایا ہے۔

اشتراکی نظام: اشتراکیت میں جہاں مثبت پہلو بھی ہیں لیکن یہ نظام انسان کی آزادی کُلّیتہً سلب کرکے اسے ایک مشین کا پرزہ بنا کر رکھ دیتا ہے۔ اور ابلیس کو اشتراکیت سے کوئی خوف نہیں۔

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ ہو

بہرحال انسان سے مختلف ادوار میں مختلف النوع نظریات اور نظام ہائے زندگی قیامِ امن کے لئے ایجاد کئے گئے لیکن یہ تمام نظریات دراصل انسان کی تباہ کاریوں میں مدومعاون ہی ثابت ہوئے۔

ان تمام نظریات کا خلاصہ یوں ہے کہ ''تہذیبِ مغرب نے سیاسی ومعاشی مساوات کے حسین عنوانوں سے انسان کو اولاً لادینی جمہوریت (Secular Democary) کا تحفہ دیا جو 'چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر' کا مصداقِ کامل ہے۔ اس لئے کہ اس کے ذریعے حقیقتاً سرمایہ داروں کی بدترین آمریت عوام پر مسلّط ہوگئی۔

دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری!

اور اس کے بعد، اس نہلے پر دہلا بے خدا اشتراکیت کا مارا جس نے انسان سے اُس کی آزادی کو کلیتہً سلب کرکے اُسے ایک مشین کا پرزہ بنا کر رکھ دیا۔''

اقبال نے یوں بھی کہا:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

اور حضرت علامہ اقبال نے متعلقہ تصّورات ونظریات کی خودکشی کی خبر بھی بایں الفاظ بہت پہلے ہی ہے: ؎

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دُکان نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیاں بنے گا، ناپائیدار ہوگا۔

علامہ اقبال نے ان تمام نظریات کے مقابلے میں اسلام کو عالمی امن کا ضامن قرار دیا ہے۔ اقبال نے اسلام کو بحیثیت ایک نظام پیش کیا ہے۔ کیوں کہ اسلام کسی انسان کی ذہنی اُپج واختراع پر مبنی نہیں بلکہ یہ اُس ہستی کا نازل کردہ نظام ہے جو پوری کائنات ومخلوقات کا خالق حقیقی وحاکمِ مطلق ہے۔ جس کا تعارف علامہ ہمیں ان الفاظ میں کراتے ہیں۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

متعلقہ تمام نظریات کے مقابلے میں علامہ نے متذکرہ بالا شعر پیش کیا یعنی حاکم صرف اور صرف خالقِ کائنات ہے باقی بتانِ آزری کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ علامہ نے اسلامی نظام کی بات مختلف پیرایوں میں کی ہے۔

جیسے:

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

''دنیا کی امامت' سے مُراد اسلامی نظام زندگی ہے۔ کیوں کہ اسلام کے

نزدیک وطنیت کا تصوّر نہیں بلکہ پوری دنیا ایک وطن ہے۔ جیسا کہ ''ترانۂ ملی'' میں اقبال نے فرمایا کہ!

چین و عرب ہمارا، ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

چونکہ اسلام وحدتِ بنی آدم کے تصّور کا قائل ہے۔ اور پوری نوعِ انسانی کے لئے امن وسلامتی کا نظام و پیغام و ہدایت اسلام ہی پیش کرتا ہے۔ جو سیاسی قومیت کے تصوّر سے ماورا بلکہ وراء الوراء ہے۔

دوسرا شعر جس میں اقبال نے لفظِ خلافت استعمال کیا ہے۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار

اقبال نے خلافت کے قیام ہی میں امن وانصاف کی نوید سنائی ہے اور یہ پیشن گوئی بھی کی ہے کے دنیا میں نظامِ عدل وانصاف یعنی خلافت کا نظام قائم ہوگا۔

نظم ''مسجدِ قرطبہ'' میں اقبال اسلام کے احیائے نو کی پیشن گوئی بایں الفاظ کرتے ہیں:

آبِ رواں کبیرؒ! تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پردہ اٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

اقبال کے کلام سے ہزاروں اشعار بطورِ استدلال پیش کئے جا سکتے ہیں جن میں اسلامی نظام کی بات کی گئی ہے۔ اور اقبال نے خود بھی اعتراف کیا ہے کہ میری شاعری میں قرآن کے سوا اور کچھ نہیں۔

دیارِ مغرب کے رہنے والوں کو سب سے زیادہ اگر کوئی خطرہ ہے تو وہ صرف اسلام سے ہے۔ کیوں کہ اسلام ہی وہ نظامِ حیات ہے جو انسانیت کو عزت بخشتا ہے۔ اور حریت و مساوات و اخوت کا مکمل و اکمل نظام، اسلام ہی پیش کرتا ہے۔

جہاں ''تمیزِ بندہ و آقا'' کا تصوّر سرے سے موجود ہی نہیں بلکہ یہ ''فسادِ آدمیّت'' قرار دیا گیا ہے۔ جہاں انسانی سطح پر سب برابر ہیں۔ اور کفالتِ عامّہ کی ذمہ داری اسلامی ریاست قبول کرتی ہے۔ جہاں One Party Dictatorship نہیں بلکہ عوام الناس جس کو چاہیں اقتدار کی باگ سونپیں جس سے چاہیں چھین لیں۔

اسی لئے ابلیس اپنے مشیروں کی بحث و تکرار اور تجزیۂ زمانہ سن کر اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ:

کیا امامانِ سیاست کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہو

اور

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ ہو
''ہے مگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمّت سے ہے''
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
جانتا ہے جس پر روشن باطنِ ایّام ہے
''مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے''

موجودہ دور میں رائج تمام نظریات و نظاموں سے ابلیس کو کوئی خطرہ نہیں کیوں کہ ان کی پشت پناہی خود ابلیس کرتا ہے، اور ابلیس اس امر کا اعتراف بھی کرتا ہے کہ ''ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس'' اور جس کا چہرہ تو روشن ہے لیکن

اندروں چنگیز سے تاریک تر ہے اور اس چنگیزیت کی واضح مثالیں تاہنوز جاری و ساری ہیں۔

اور یہ حقیقت ہے کہ اسلام ہی وہ طریقۂ حیات ہے جس میں آفاقیت ہے۔ اور منطقی دلائل سے بھی عالمی امن ایک ہمہ گیر و عالمگیر نظام ہی سے قائم ہوسکتا ہے۔ جس کی نشاندہی علامہ نے اپنے کلام میں کی ہے۔ کیوں کہ ''دنیا کی امامت'' متفرق ومتضاد نظاموں سے ممکن نہیں بلکہ ایک ہی نظام کے تحت ''دنیا کی امامت'' ممکن ہے۔

افسوس کہ اقبال کی شاعری میں درد، سوز وگداز، اسلوب وانداز، قدرتی حسن و مناظر، شعری خصوصیات پر بہت توجہ دی گئی لیکن ان کا اصلی پیغام جو اُنھوں نے ادب کے ذریعے پیش کیا اُس پر بہت کم توجّہ دی گئی۔ جس کا اقبال نے خود بھی باایں الفاظ شکوہ کیا۔

من اے میرِ اُمم داد از تو خواہم
مرا یاراں غزل خوانے شمردند

ان کے اصل پیغام پر اگر توجّہ مرکوز نہیں کی تو اقبال کا یہ شکوہ جیسے ان کی زبانِ قال سے سنا گیا تا صبحِ قیامت ان کے زبانِ حال سے بھی سنا جاتا رہے گا۔

بہرحال اقبال کے علاوہ اور بہت سارے علماء نے زبان وادب کا سہارا لے کر دنیا میں عالمی امن کے قیام کے لئے اسلامی نظام کو پیش کیا۔ اقبال کے ہمعصر مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بھی اُردو نثر کو ذریعہ بنایا تاکہ دنیا حقیقی امن وانصاف و عدل کے نظام سے آشنا ہو جائے۔ یہ دونوں شخصیتیں ایک ہی نصب العین رکھتی تھیں۔ دونوں کے نظریات کا منبع وسرچشمہ ایک ہی تھا یعنی قرآنِ حکیم۔

''اقبال خود بھی اس کے مدّعی ہیں کہ ان کے اشعار فکر و پیغام قرآنی ہی کی ترجمانی پر مشتمل ہیں اور اس پر انہیں اس درجہ وثوق اور اعتماد ہے کہ انہوں نے

''مثنوی اسرار و رموز'' کے آخر میں عرضِ حالِ مصنّف بحضور رحمۃ اللعالمینؐ' کے ذیل میں یہاں تک لکھ دیا ہے۔

گردلم آئینۂ بے جوہر است
وربحرفم غیرِ قرآں مضمر است
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن
ایں خیاباں را زخارم پاک کن
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا!
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا!

آخری شعر تو چونکا دیتا ہے کیوں کہ اس حد تک علامہ نے اپنے حق میں بدُعا کی ہے کہ اگر ان کے اشعار کلام الٰہی سے خالی ہوں۔

ان اشعار کے بعد کسی کی ہمّت نہیں کہ علامہ کو کسی اور نظریہ کے ساتھ منسوب کرے یا ان کے کلام کو اسلامی نظام کی ترجمانی سے مبرّا قرار دے۔

''خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف
رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بیضا

❖❖❖❖

عالمی امن میں علامہ اقبالؒ کی شاعری کا کردار

ادریس احمد فلاحیؔ
طالب علم (سمسٹر۔۱)
گورنمنٹ ڈگری کالج ڈوڈہ

اُردو شاعروں و ادیبوں میں علامہ اقبالؒ کا ایک امتیازی مقام ہے۔ اُردو ادب کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُردو ادیبوں و شاعروں میں بہت سارے ادباء وشعراء نے قیامِ امن کی خاطر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اُنہیں ہستیوں میں سے علامہ اقبالؒ بھی ایک ہیں۔ قیامِ امن میں علامہ اقبالؒ نے ہر مرحلے پر اپنا کردار کامیابی کے ساتھ ادا کیا۔ علامہ اقبالؒ نے امن کے قیام کی تقریباً ساری چیزوں کو اپنی شاعری کے اندر سمونے کی بھرپور کوشش کی۔ اُنھوں نے اتحاد و اتفاق، اخوّت ومحبت وسعتِ قلب ونظر، ہمہ گیر رواداری اور عزم و استقلال وغیرہ تمام چیزوں پر بحث کر کے نسلِ انسانی کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

اتحاد واتفاق:

علامہ اقبالؒ نے عالمی امن کے قیام کی خاطر اتحاد و اتفاق پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ اُنہوں نے اجتماعیت و اتحاد کی اہمیت کو موجِ دریا سے تشبیہ دیتے

ہوئے اپنی ایک نظم ''شمع وشاعر'' کے ایک شعر میں فرمایا کہ:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

فرد کی تعمیر و ترقی پر بھی نہ صرف زور دیا ہے بلکہ فرد کی تعمیر و ترقی کے لئے ضروری و نمایاں خصوصیات کی تعلیم بھی فرمائی ہے قوم کے پیشروں اور اماموں کے لئے لازمی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سبق پڑھ پھر صداقت کا شجاعت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

ان بنیادی خصوصیات کے ساتھ چند اضافہ ہونے سے فرد ایک مکمل مقتداء اور امام کی ذمہ داریوں سے عہدہ براء ہوسکتا ہے

کیونکہ بقول اقبالؒ:

نگاہِ بلند سخن دلنواز جاں پُر سوز
یہی ہے رُختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ ِمرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایتِ بادشاہی علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نقطِ ایمان کی تفسریں
حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خرشید ٹپکے گا اگر ذرے کا دل چیریں

یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

اگر افرادِ ملت اِن صفات کے پیدا کرنے کی محنت شروع کرتے ہیں تو وہ وقت دور نہیں جب ایک پر امن اور بے مثال معاشرہ تشکیل پائے جو اقبال کے خوابوں کی تعبیر اور اسکا نمونہ ہو۔

اخوت و محبت:

شاعرِ مشرق سر علامہ اقبال ''قیامِ امن'' کے حوالے سے اخوت و محبت پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں اخوت و محبت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی نظم طلوعِ اسلام میں فرماتے ہیں:

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
اُخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

چونکہ اقبال ایک سچے انسان دوست کی حثیت سے تھے۔اس لئے انکی ہمیشہ سے یہی خواہش تھی کہ دنیا کا ہر انسان خواہ وہ مسلم ہو۔سکھ ہو۔ عیسائی ہو یا اور کسی مذہب سے تعلق رکھنے والا ہو، وہ اخوت و محبت کا پیکر بنے۔ اس کے دل میں دوسرے کی خاطر محبت و پیار پیدا ہو۔ علامہ اقبالؒ اُخوت و محبت کے حوالے سے اپنی ایک نظم میں فرماتے ہیں کہ:

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکرے نوع انسان کو
اُخوت کا بیان ہو جا محبت کی زُبان ہو جا

علامہ اقبالؒ اُخوت و مُحبت کے حوالے سے ''بانگ درا'' کی نظم ''تصویر درد'' میں اقبالؒ درد کی تصویر ہوتے ہوئے محبت کا پتلہ نظر آتے ہیں۔ چند اشعار یہ ہیں:

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے

بیانِ محبت دشتِ غربت بھی وطن بھی ہے
یہ ویرا نہ قفس بھی ،آشیانہ بھی، چمن بھی ہے
محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحرا بھی
جرس بھی ،کارواں بھی راہبر، بھی رہزن بھی ہے

اور پھر 1905 اور 1907 کے درمیان کی غزلوں کا یہ شعر ہے:

ریاضِ ہستی کے ذرے ذرے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقتِ گل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی پیمان ہے رنگ و بو کا

انسانوں کے بیشتر مسائل آپس کے بگاڑ اور نا اتفاقی کی وجہ سے ہیں اگر یہ بگاڑ ختم ہو جائیں اور یہ ناچاقیاں دور ہو جائیں تو بہت سارے مسائل خود بخود ختم ہو جائین گے اور پوری دنیا میں امن کا قیام ممکن بھی ہے۔

ہمہ گیر رواداری:

علامہ اقبالؒ رنگ و نسل طبقہ قُوم وملت کے بٹوارے کو قیامِ امن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خیال کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ ان تمام مسائل پر تبصرہ کرتے ہوئے یک جان و ہمہ گیر وسعتِ قلب و نظر کا درس دیتے ہیں اور کہتے ہیں:

بتان رنگ و خون کو توڑ کر ملت میں تُوگُم ہوجا
یہ ایرانی، نہ تورانی، نہ افغانی
یہ ہندی ،و ہ خراسانی ،یہ افغانی ،وہ تہرانی
تو اے شرمندہ ساحل اُچھل کر بیکراں ہو جا

اسی طریقے سے ایک اور مقام پر کہتے ہیں کہ

وہ دانائے سُبل ختم الرّسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ ِو ادی سینا

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقان وہی یٰسں وہی طٰہٰ

فرقہ واریت اور جاہلی تعصّبات کی اسی شبِ روز میں جب اسلام ایک منارہ نور بن کر نمودار ہوا۔ جسکی روشنی ہر بلند و پست پر پھیلی جس دن پہلے ہی سے امیر و غریب ،آقا و غلام اپنے اور پرائے سب کو یکساں طور پر مخاطب کیا اور صاف صاف بتایا کہ اللہ اس پوری کائینات کا خود انسان کا یہاں تک کہ تمام ان چیزوں کا خالق ہے جس سے انسان اس دنیا میں مستفید ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ کا فرمان قرآن میں ہے کہ ابتداء میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے قرآن ایک جگہ رواداری کا حکم دیتے ہوئے کہتا ہے کہ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاو۔ عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔

اسلام حرب وضرب کے حوالے سے رواداری کی بے مثال نمونہ پیش کرتے ہوئے بوڑھوں ، بچوں ، بیماروں ،عورتوں اور ہتمارداروں کو قتل کرنے سے منع کرتا ہے،عبادت گاہوں کو ڈھانے سے منع کرتا ہے، گھروں کو نذر آتش کرنے سے منع کرتا ہے۔غرض کہ ہر اس چیز سے روکتا ہے جو انسانیت کے لئے سم قاتل ہوں اور ہر اس چیز کے کرنے کا حکم دیتا ہے جس میں انسانیت کی فلاح مضمر ہو۔بس اسی تعلیم کو لوگوں کے ازہان پر ڈالنے کے لئے علامہ قبال رات و دن ایک کرکے پہونچانے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ ان ہی صفات سے متصف ہوکر لوگ امن وانصاف کے خوگر بن سکتے ہیں۔

عـــزم استقـــلال:

پروفیسر ڈاکٹر منور ہاشمی شاعرِ مشرق سر علامہ اقبالؒ کے بارے مین کہتے ہیں کہ اقبال کے افکار پوری نسل انسانیت کے لئے اور خصوصاً نوجونوں کے لئے مزید

خصوصیت کے ساتھ علم و دانش کا مخزن ہیں۔ اُنکی اُمیدِ نو جوان طبقے کے ساتھ سب سے زیادہ وابستہ تھیں وہ سمجھتے تھے کہ نوجواں نسل قول کا مستقبل ہیں۔ اگر یہ نسل تعلیم یافتہ، باصلاحیت، مذہب اور روشن دماغ ہوگئی تو قوم کا مستقبل نسل نوع کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ جانتے تھے کہ نوجوان نسل ہی امن واستقلال کے ضامن ہیں۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ یہ نسل آگے بڑھنے کے لئے دین ودنیا کے تمام علوم سے بہرہ مند ہوں سائنس وٹکنالوجی کے لئے آفاق تک رسائی حاصل کر کے اور جو کام اس قوم کے بزرگوں کے ہاتھوں پائیہ تکمیل کو نہیں پہنچے۔ وہ اُس قوم کے نوجوانوں کے ہاتھوں انجام پذیر ہوں۔ جس طرح اقبالؒ خود قوم کے نوجوانوں کے لئے ہمیشہ فکر مند رہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اِسی طرح نوجوانوں کے اندر بھی احساس وقوم کا درد پیدا ہو۔ اقبالؒ کے دل سے ہمیشہ اس قسم کی دعائیں نکلتی تھیں کہ

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے
مرا عشق ،میری نظر بخش دے
خِرد کو غلامی سے آزاد کر
جوانوں کو پیروں کا استاد کر

جہاں وہ جوانوں سے یہ اُمید رکھتے ہیں کہ وہ انہیں جیسے فکر واحساس کو دل و دماغ میں جگہ دیں گے، وہاں وہ آنے والے حالات کی پیش بینی کرتے ہوئے اُن عُلوم وفُنون کے حصول اور قوم کے لئے اُن کے استفادے کی صورت پیدا کریں گے۔

چونکہ علامہ اقبالؒ سچے دردمند راور مفکر تھے اس لئے وہ چاہتے تھے کہ اس قوم کے نوجوانوں میں بھی امن واستقلال کا شعور واحساس پیدا ہو۔ ایک اور مقام پہ کہتے ہیں

جوانون کو میری آہ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خُدایا آرزو میری یہی ہے
میرا نورِ بصیرت عام کردے

اقبالؒ نے نوجوانوں کوشاہین سےتشبیہ دی ہے وہ چاہتے تھے کہ جوخصوصیات اللہ نے شاہیں کودے رکھی ہیں وہ نوجوانوں میں بھی پیدا ہوجائیں۔شاہیں بلند پرواز ہے عام پرندوں کی طرح نیچی پرواز اُسکے شایان شان نہیں نوجوانوں میں بلند پروازی کی صفت پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انکی سوچ میں پستی نہ ہو۔

وہ دورا ندیش ہوں آنے والے حالات کو پہلے سے بھانپ کرمنصوبہ بندی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔تب جا کرکوئی بھی قوم امن کا پیکر بن سکتی ہے کیونکہ نوجوان کوقوم کا کھمبا کی حثیت دی گئی ہےتو اگر کھمبا ہی مضبوط نہ ہوتو وہ قوم کبھی بھی زائل ہوسکتی ہے۔اسلئے ضروری ہے کہ ہرقوم کے بچوں میں یہ صفات موجودہوں تب جا کر''عالمی امن''عم میں لایا جاسکتا ہے۔

عصرحاضرکی چیلنجز کامقابلہ:

اقبالؒ پوری نسل انسانیت کواور خاصی طوسےنوجوانوں کوعصر حاضر میں رونما ہونے والےچیلنجز کے مقابلہ کی خاطر ابھارے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بات عیاں ہے کہ دومتضاد چیزیں اکھٹانہیں ہوسکیتں،ظلم واستبدا داورعدل وانصاف کے پیمانے یکساں نہیں ہوسکتے تاریکی اورروشنی کواکھٹانہیں کیاجاسکتا،رات اورد ن کا اتصال اگرممکن نہیں توامن پسنداورشر پسندانسان یکساں کیسے ہوسکتے ہیں۔ان کے درمیان سمجھو تے کی بات بےمعنیٰ ہے۔حق و باطل کے درمیان تصادم یہ کوئی نئی چیزنہیں بلکہ یہ روزِ اوّل سے جاری ہے۔حضرت ابراھیمؑ کوآتش نمرود کا سامنا کرنا پڑا۔حضرت موسیٰ کی فرعون سےٹکرانے، اصحاب اُخدود بھڑکتی ہوئی آگ میں

جھونک دئے گئے اور خود نبی کریم ﷺ اور ان کے جانباز اصحاب ابولہب اور ابو جہل جیسے ظالموں کی ایذاءرسائیوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا تاریخ کے ہر دور میں وقت کے شیطانوں نے اہل حق کو چلینج کیا ہے حق اور اہل حق کو ختم کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔لیکن ماشااللہ اہل حق نے بڑھ چڑھ کر ان چلینجوں کو قبول کر کے ان کی کوششوں کو نام کام بھی بنایا ہے۔آج بھی حق اکیسویں صدی کے دہشت گردوں کی آنکھوں کا کانٹا بنا ہوا ہے۔علامہ اقبالؒ اِن ہی جانباز سپاہیوں اور نوجوانوں کا حوصلہ عصر حاضر کے نوجوانوں میں پیدا کرنے کی بھر پور کوششیں کرتے ہیں۔کہ اے نوجوان ! عقاب بنو شاہین بنو اور جو بھی تمہارے مخالف چلینجز ہیں انکا بھر پور مقابلہ کرو اور اپنے کلام میں کہتے ہیں کہ:

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہیں تجھے اونچا اُڑنے کے لئے

ضرورت اس بات کی ہے کہ اقبال کے کلام کو غور وفکر سے پڑھا جائے اور منطقی دلائل کے ذریعہ معاشرے کے تمام لوگوں تک یہ پیغام پہونچایا جائے کہ:

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبین
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

تب جا کر عالمی امن میں زبان وادب کا کردار رونما ہوسکتا ہے۔

❖❖❖❖

علّامہ اقبال کی شاعری میں عالمی امن کا پیغام

محمد الیاس
اسکالر جموں یونیورسٹی
anjum14356@gmail.com

''دھرتی کے باسیوں کی مُکتی پریت میں ہے''۔ (علّامہ اقبال)

شاعرِ مشرق علّامہ اقبال نے جہاں ایک فلسفی اور مفکّرِ اعظم کی حیثیت سے بنی نوع انسان کو تمام رموز و اسرار سے آگاہ کرنے کی کوشش کی وہیں اسے اخوت و ہمدردی اور امن و آشتی کا سبق بھی پڑھایا۔ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کے ان عزیز، مقبول اور نیک بندوں میں سے تھے جن کا دل جذبہ اُنس و محبت سے بھرا ہوا تھا۔ جن کی نظر میں خدمت خلق کا درجہ عبادت سے بڑھ کر تھا۔ اور جنہوں نے اُلفت و محبت اور ہمدردی و دلجوئی کی زندگی بسر کی اور دوسروں کو بھی خدمتِ خلق کی طرف توجہ دلائی۔

خدا تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کے لقب سے خلیفۃ الارض بنایا تاکہ اپنی بزرگی اور برتری کا ثبوت دے مگر افسوس بعض ظلم و ستم پر کمر بستہ ہو گئے اور بعض عیش و عشرت میں غرق۔ بعض عبادت میں مشغول ہوئے تو بعض نے راہِ راست ترک کر کے گمراہی اختیار کی۔ کیا انسان کی پیدائش کا مقصد یہی تھا۔ کیا

اشرف المخلوقات ہونے کا تقاضہ یہی ہے۔۔۔نہیں۔۔ نہ ہی عیش وعشرت اور نہ ہی صرف عبادت بلکہ مخلوقِ خدا سے اُنس و پیار اور الفت ومحبت کا برتاؤ ہی اصل مقصد ہے۔اقبالؒ فرماتے ہیں۔

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

دنیا میں لاکھوں ایسے نیک انسان موجود ہیں جو دن رات یادِالٰہی میں مصروف رہتے ہیں اور ہزاروں ایسے بھی ہوں گے جنھوں نے بیابانوں اور ویرانوں میں عبادت الٰہی کا چراغ روشن کیا ہے لیکن ایسے بزرگوں اور پارساوں کی عبادت کس کام کی جبکہ ان کے بھائی بھوک سے مر رہے ہوں، ظلم و جبر کا نشانہ بنے ہوئے ہوں اور عدل وانصاف سے محروم ہوں۔اقبال ایسے پارساوں اور عبادت گزاروں کو محبت کی نظروں سے نہیں دیکھتے بلکہ وہ صرف ان جواں مردوں کا دم بھرتے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی خدمتِ خلق میں بسر کی۔ان کی نظر میں نیکی اور بزرگی صرف تسبیح، نماز اور روزے پر منحصر نہیں بلکہ ان کا یقین ہے۔

عبادت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

ہمیں اللہ پاک نے پیدا کیا تا کہ وہ معلوم کرے کہ ہم اس کے بندوں سے کس طرح برتاو کرتے ہیں۔یہی ہماری آزمائش ہے اور یہی ہمارا امتحان جس میں ہمیں کامیاب ہونا چاہیے اور یہی اشرف المخلوقات کی سب سے بڑی صفت ہے گویا:-

یہی عبادت ہے یہی دین وایماں
کہ کام آئے دنیا میں انسان کے انساں

مذہب کوئی بھی ہو وہ آپس میں اخوّت ومروّت کی راہیں استوار کرنے اور

امن وآشتی کے ساتھ رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ دوسروں کے تئیں بغض وعداوت رکھنا تو کسی بھی مذہب میں نہیں سکھایا جاتا۔ اقبال فرماتے ہیں:۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

لیکن آج یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مذہب کے ٹھیکیداروں نے ہی مذہب کی غلط تعبیر وتشریح پیش کر کے خرمنِ امن میں آگ لگائی ہے۔ مذہب جو امن وشانتی کی تعلیم دیتا ہے واعظ نے اس کی غلط تعبیر کر کے لوگوں کے دلوں میں نفاق اور دشمنی کا جذبہ پیدا کر دیا ہے بقول اقبال:

اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے

اقبال نے اپنی نظم " نیا شوالہ " میں ایسے مذہبی ٹھکیداروں کو دعوت دی ہے کہ عداوت وتعصب کی دیواروں کو ڈھا کر ایسے دیر وحرم تعمیر کیے جانے جانے چاہئیں جو پیار ومحبت کا مسکن ہوں۔ جہاں سے صرف امن وآشتی کا پیغام جاری ہو۔ جہاں تمام لوگ محبت کے نشے سے سرشار ہوں۔ نفرت وعداوت سے کنارہ کش ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ دوستی سے پیش آئیں۔ ہر لب پر قدیم بزرگوں کے محبت بھرے ترانے ہوں جو طاقت اور امن وشانتی کا سرچشمہ ہیں۔ ان بزرگوں کی پیار ومحبت والی روایت کو اپنا کر ہی باشندگانِ ارض ہر طرح کی پریشانی اور درد وغم سے نجات پا سکتے ہیں اور یہی دائمی امن کا ضامن بھی ہے۔

سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آ اِک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامانِ آسماں سے اس کا کلس ملا دیں
ہر صبح اُٹھ کے گائیں منتر وہ پیارے پیارے

سارے پجاریوں کو میئے پریت کی پلا دیں
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

اقبالؒ کی شاعری کا ایک مرکزی خیال یہ ہے کہ ملک وقوم، ذات پات اور رنگ ونسل کے تصوّر نے انسانوں کے درمیان مخالفت کی دیواریں کھڑی کر کے زندگی کے حسین نقشے کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ان کا کلام ان تمام بتانِ فیض کے خلاف ایک مسلسل جہاد ہے۔ جیسے رنگ ونسل،کلیسا،جن کو ابتدا میں تاریخ کی تحریکوں نے تراشا اور بعد میں قوت اور اختیار کے ناپاک پجاریوں نے اپنے ذلیل مقاصد کے لیے استعمال کیا۔انھوں نے اپنی مثنوی "اسرارِخودی" کے دیپاچے میں صاف صاف کہہ دیا تھا کہ" میری مثنوی کا مقصد اسلام کی وکالت نہیں۔ میں دراصل ایک بہتر انسانی سماج کی تلاش میں دلچسپی رکھتا ہوں لیکن اس تلاش میں ایک ایسے سماجی نظام کو کیسے نظر انداز کردوں جس کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ نسل، ذات پات اور رنگ کے فرق کو ایک قلم مٹا دے۔"

اقبال نے بڑے دلکش پیرائے میں جابجا اس دل ودماغ کے انسان کی تصویر کشی کی ہے جو ان مصنوعی اختلافات کو دور کر کے انسانی وحدت کی حقیقت کو دیکھ اور سمجھ سکتا ہے۔

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
میری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد
فقیہہ شہر کی تحقیر کیا مجال مری
مگر یہ بات کہ میں چاہتا ہوں دل کشاد
نہ فلسفی سے نہ مُلّا سے ہے غرض مجھکو
یہ دل کی موت وہ اندیشہ و نظر کا فساد

کیے ہیں فاش رموزِ قلندری میں نے
کہ فکر مدرسہ و خانقاہ سے ہو آزاد

اقبالؒ نے اپنی شاعری میں بہت سی باتیں کہی ہیں۔ بہت سے الجھے ہوئے مسئلوں کو سلجھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے مشرق ومغرب پر، مسلم و غیر مسلم پر، علم کی عیاری اور قوت کی خطرنا کی پر تنقید کی ہے لیکن محبت، رواداری اور انسان دوستی کا عُنصر اُنکی شاعری میں اس طرح گُھلا ملا ہے جس طرح دل کی دھڑکن زندگی کے اندر بسی ہوئی ہے۔ ان کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ ہر انسان ایک بندہ مومن بن جائے جس کے کردار اور اقوال وافعال سے کسی کو ضرر نہ پہنچے۔ اقبال کا یہ پیغام نیا ہے انوکھا نہیں ہے۔ خدا کے ہر نیک بندے نے، ہر نبی و ولی نے، ہر رشی ومنی نے اور ہر مصلح و فلسفی نے اپنے اپنے انداز میں اسے دہرایا۔ مہاتما بدھ نے ہزاروں سال پہلے کہا تھا" تم دشمن کو کبھی دشمنی کے ذریعے زیر نہیں کر سکتے صرف محبت اور دوستی کے ذریعے اسے فتح کر سکتے ہیں"۔ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام نے سکھایا تھا کہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے بھی محبت کرو اور برائی کا بدلہ نیکی سے دو۔ پیغمبرِ اسلام نے سکھایا تھا کہ اگر خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو اس کے بندوں کی خدمت کر کے دکھاؤ۔

اقبال جنہیں اہل ہند و پاک دونوں اپنا شاعر مانتے ہیں ان کا یہی قوی یقین ہے کہ:

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

❖❖❖❖

اُردو شاعری میں عالمی امن کا پیغام

اعجاز احمد
ریسرچ اسکالر
شعبہ اُردو جموں یونیورسٹی

انسانی معاشرے کو اپنی بنائی ہوئی چیزوں میں سب سے زیادہ عزیز اور مایہ ناز اپنی زبان وادبیات ہوا کرتی ہے۔عربوں کا اپنے سوا ساری دُنیا کو عجم (گونگا) کہنا اور انگریزوں کا اپنے انتہائی عروج واقتدار کے زمانے میں شیکسپیئر کے ڈراموں کو اپنے تمام مقبوضات پر ترجیح دینا اسی محبت اور فخر کا آئینہ دار ہے۔زبان وادب ہی انسان کی ایسی شعوری اور نیم شعوری کوشش ہے جو اس کا مشترک سرمایہ اور میراث بھی ہے۔یہ شخصیت وذہنیت کے اظہار کا آلہ ہی نہیں۔ایک قوم کی تمدنی ومزاجی کیفیات کا آئینہ،اس کی تہذیبی سرگرمیوں کے ارتقاء اور انحطاط کا پیمانہ،اس کو صحیح یا غلط راہوں پر لے چلنے والی موثر ترین طاقت بھی ہے۔یہی وہ محافظ خانہ ہے جس میں ماضی کی تمام روایات اور یادداشتیں محفوظ ہوتی ہیں جس سے قوم طاقت اور تحریک پاتی ہے اور اپنے عمل کا احتساب کرتی ہے اور یہی وہ پیمانہ ہے جو آئندہ کوئی راہ متعین کرنے میں اس کا سب سے بڑا معین ہوتا ہے۔

جہاں تک عالمی امن میں اُردو شاعری کے کردار کا سوال ہے تو تاریخ کا یہ سبق ہے کہ جہاں ایک طرف کچھ لوگ سیاست کو پراگندہ کرتے ہیں اور مسلک،فرقہ، ذات اور زبان کی بنیاد پر تقسیم کرکے مفاد پرستی کی سیاست کرتے ہیں تو دوسری

طرف ادیب، شاعر، صحافی اور قلمکار کثرت میں وحدت کا پیغام عام کرنے کی کوشش میں مصروف ہوتے رہے ہیں ۔یہ لوگ سماجی ہم آہنگی کے لیے انسانیت، محبت، رواداری اوراتحادواتفاق کی شمع روشن کرکے ملک کے شیرازہ کو بکھیرنے کی سیاسی سازش میں ملوث لوگوں کو بے نقاب کرنے کی شعوری بیداری کا فریضہ پورا کرتے ہیں ۔موجودہ ملکی، سیاسی صورت حال اتنی سنگین ہوگئی ہے کہ دوست اور دشمن کی تمیز ختم ہوگئی ہے اور عام آدمی کے لیے یہ سمجھ پانا مشکل ہوگیا ہے کہ ملک کا دوست کون ہے اور دشمن کون ہے ۔ایسے حالات میں شاعر و ادیب ہی محبت عام کرنے کی بات کرتے ہیں اور دُنیا کو یہ باور کراتے ہیں کہ انسانیت کے مابین محبت رشتے کا قومی ترقی میں اہم کردار ہوتا ہے اس لیے اس رشتے کو مضبوط بنایا جائے ۔محبت کی طاقت جیسے جیسے کمزور ہوتی ہے۔اسی تناسب سے نفرت کا اندھیرا بڑھتا چلا جاتا ہے۔دلوں کو جوڑنے کے کام میں شاعروں اور ادیبوں نے ہر دور میں اپنا حصہ ڈالا ہے اور فرقہ پرستی اور فسطائی طاقتوں کے ناپاک عزائم کو ناکام بنایا ہے اور موٹی موٹی آنکھوں کے تذکرے اور لب ورخسار کی حاشیہ آرائیاں دراصل اس عظیم مشن کے استعارے ہیں جسے بنیاد بنا کر انھوں نے عظیم مشن کی تکمیل کی ہے اور اب وقت کا تقاضا ہے کہ تشدد کا راستہ ترک کرکے قلم کو بطورِ ہتھیار استعمال کیا جائے تو کوئی شک نہیں کہ ترقی کی منزل کو پہنچنا آسان ہوجائے گا۔

اُردو شعرا و دباء نے ہر دور میں محبت اور ہمدردی کی فضا کو عام کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔چنانچہ اپنے جذبہ وفکر کے اظہار اور اپنے تہذیبی وثقافتی کلامیے کے معاملے میں وہ ہمیشہ محتاط اور ذمہ دار نظر آتے ہیں ۔ان کا اپنے سماج سے رشتہ گہرا اور قلبی ہوا کرتا ہے۔انسانی اقدار سے اس کی وابستگی غیر مشروط ہوتی ہے۔یہی وہ سب باتیں ہیں جن کے زیر اثر شاعر و ادیب کے اندر ایک قوت پیدا ہوجاتی ہے

جو اُس کے عمومی مشاہدے کو بیان کرتے ہوئے احساس کی سطح پر زندہ تجربے میں ڈھال دیتی ہے۔ یوں جب وہ اپنا تخلیقی تجربہ معاشرے کو پیش کرتا ہے تو اُس کے افسانے، ناول، غزل، نظم یا گیت کو پڑھ کر اُس کا قاری زبان حال سے کہتا ہے۔

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دِل میں ہے۔

چونکہ اُردو ایک زبان ہی نہیں ایک تہذیب کی علامت ہے۔ اس میں اتحاد و اتفاق، محبت و اُلفت، رواداری اور بھائی چارگی کا پیام ملتا ہے۔ جب بھی کسی علاقے یا کسی ملک میں لسانی یا علاقائی تنازعہ پیدا ہوا یا فسادات کی نوبت آئی تو ایسے دور میں شعراء و ادبا نے منظم اور مربوط پیرائے میں امن واتحاد کے عنصر کی بات کی ہے اور آپسی بھائی چارگی کی فضا کو قائم رکھا ہے۔

اُردو شاعری اپنے روزِ اول سے ہی محبت کا پیغام برت رہی ہے۔ امیر خسرو کے دور کو مدنظر رکھ کر اُن کی شاعری کو پڑھیے تو امیر خسرو کی شاعری آپ کو امن واتحاد کا نعرۂ مستانہ نظر آئے گی۔ امیر خسرو کی کہہ مکرنیاں، کبیر کے دوہے، نانک کی بانی اور بھکتی تحریک نے بھی امن واتحاد قائم رکھنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بہمنی سلطنت کے دور کی پہلی منظوم کدم راؤ پدم راؤ کے اشعار کو پڑھیے تو آپسی مروت علمبردار اور ذات پات کے خلاف ایک محاذ آرائی کے پیش خیمہ ہیں۔

اُردو ادب کے گہوارۂ دکن میں سلاطین نے بھی اُردو زبان و ادب کی خوب سرپرستی کی۔ چنانچہ اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر قلی قطب شاہ کے دیوان میں قومی یگانگت کی فضا، اخوت و محبت اور جذبۂ ایثار کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ مذہبی رواداری اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا یہ پہلو نصرتی، غواصی، ابنِ نشاطی، ملا وجہی وغیرہ کے پاس بھی ملتا ہے۔ ولی دکنی نے دکن سے اُردو شاعری کا جو تحفہ ''دیوانِ ولی'' کی صورت میں دہلی والوں کی خدمت میں پیش کیا اُس میں مذہبی قرابت داری لسانی وثقافتی رشتوں کی پائیداری، تہذیبی ہم آہنگی اور اخوت و بھائی چارے کے مختلف

رنگ نمایاں ہیں۔ دیوانِ ولی کا اثر ہم عصر شعراء پر اس طرح ہوا کہ دہلی کے نامی گرامی شعراء جیسے حاتمؔ، آبروؔ، ناجیؔ وغیرہ نے نہ صرف عشق ومحبت کے جذبات عام کیے بلکہ تہذیبی واخلاقی فضا بھی بہر حال قائم کی۔ حاتم کا یہ شعر دیکھئے۔

سنو ہندو مسلمان کے فیض عشق سے حاتم
ہوا آزاد قیدِ مذہب ومشرب سے اب فارغ

ان ہی خوشگوار روایات کو میرتقی میرؔ، مرزا محمد رفیع، سوداؔ کے یہاں بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ چند اشعار دیکھئے۔

کعبہ پہنچا تو کیا ہوا اے شیخ
سعی کر ٹک پہنچ کسی دل تک
(میرؔ)

فراق خلد سے گندم ہے سینہ چاک اب تک
الٰہی ہونہ وطن سے کوئی غریب جدا
(سوداؔ)

اسی دور کے دوسرے شعراء میر دردؔ، میر سوزؔ، قائم چاندپوری کے یہاں بھی امن، اتحاد وہم آہنگی کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ بعد کے زمانے میں آتشؔ، ناسخؔ، انشاءؔ، مصحفیؔ، غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ اور بہادر شاہ ظفرؔ نے پیشرو شعراء کی وسیع المشربی ، صلح کل کی پالیسی اور مذہبی رواداری کی صالح روایات کو اپنایا۔ مرزا غالب کے درج ذیل اشعار ان ہی خیالات کی غمازی کرتے ہیں۔

فنا کو سونپ کر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
فروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوف گلخن پر
ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں

1865ء کا دورِ نظم جدید کے آغاز کا اعلان تھا جس میں الطاف حسین حالیؔ اور محمد حسین آزادؔ کی خدمات کا اہم عمل دخل ہے۔اس سے پہلے نظیر اکبرآبادی نے نظم کے ذریعے امن واتحاد کے نعرے بلند کئے اور اپنا قصرِ شاعری حب الوطنی اور قومی امن واتحاد کی بنیادوں پر تعمیر کیا۔

علامہ شبلیؔ، اکبرؔ آزاد، اسماعیل میرٹھی، حالیؔ، داغؔ وغیرہ کا شمار بھی ایسے ہی شعراء میں ہوتا ہے جنھوں نے کھلے ذہن سے اقوامِ ہند کو امن واتحاد کے رنگ میں رنگنے کی کامیاب سعی کی۔حالی کا یہ شعر دیکھیے

یہی ہے عبادت یہی دین وایماں
کہ کام آئے دُنیامیں انساں کے انساں

اُردو شاعری میں بیسویں صدی کا آفتاب شاعرِ اسلام علامہ اقبال کی صورت میں سرور جہاں آبادی، چکبستؔ، تلوک چند محروم جیسی کرنوں کو اپنے جلو میں لے کر طلوع ہوا جن کی شاعری نے پورے ملک کو روشن کر دیا۔اقبال نے اپنی نظموں میں ملک وقوم کی محبت کا ثبوت دیا۔نفرت، بھید بھاؤ اور مذہبی تعصب کے خلاف آواز بلند کی اور امن واتحاد کا درس دیا۔اقبال کے یہ شعر دیکھئے۔

ملت سے اپنا ربط استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے اُمیدِ بہار رکھ
ہیں ضبط باہمی سے قائم نظارے سارے
یہ نکتہ ہے نمایاں تاروں کی طرح سے

سرور جہاں آبادی کی شاعری میں درسِ انسانیت پوشیدہ ہے۔وہ صلح کل کے حامی ہیں ۔اپنے بیشتر اشعار میں وہ نغمہ وحدت بلند کرتے ہوئے اس طرح گویا ہوتے ہیں۔

ایک ایک کلی میں پھونکیں روحِ شمیم وحدت
ایک ایک کلی کو دِل کے دامن سے دیں ہوائیں

ماضی قریب کے شعراء میں ساحرؔ لدھیانوی ،جوشؔ ،کیفیؔ اعظمی ، فراقؔ اور سکندر علی وجد کا کلام اتحاد و اتفاق کی اثر انگیز ،ترغیبات کے جلوہ ہائے سدرنگ اپنے دامن میں لیے نظر آتا ہے۔ چند اشعار دیکھیے۔

آپ دولت کے ترازو میں دلوں کو تولیں
ہم محبت سے محبت کا صلہ دیتے ہیں
(ساحرؔ)

سر زمینِ ہند پر اقوام عالم کے فراقؔ
قافلے بستے گئے ہندوستان بنتا گیا
(فراقؔ)

دورِ حاضر میں ملک کے جو حالات ہیں ،لسانی اور مذہبی بنیادوں پر لوگوں کو جس طرح تقسیم کیا جا رہا ہے ایسے حالات میں شاعر ہی امن و اتحاد کی مشعل لے کر محبت، ہمدردی اور رواداری کی فضا کو عام کرنے میں منہمک ہیں اور ان ہی سے یہ امید رکھی جا سکتی ہے کہ آئندہ بھی شعراء حضرات امن و اتحاد کی شمع کو روشن رکھیں گے تا کہ ملک میں آپسی بھائی چارگی کا ماحول قائم رہ سکے۔ چند اشعار دیکھیے

ہمارا خون کا رشتہ ہے سرحدوں کا نہیں
ہمارے خون میں گنگا بھی چناب بھی ہے
(کینول ضیائی)

مجھ میں تھوڑی سی جگہ بھی نہیں نفرت کے لیے
میں تو ہر وقت محبت سے بھرا رہتا ہوں
(مرزا اطہر ضیاؔ)

سات صندوقوں میں بھر کر دفن کردو نفرتیں
آج انسان کو محبت کی ضرورت ہے بہت
(بشیر بدرؔ)

سبھی کا خون ہے شامل یہاں کی مٹی میں
کسی کے باپ کا ہندوستان تھوڑی ہے
(راحت اندوریؔ)

الغرض زمانۂ آغاز سے لے کر عصرِ حاضر تک اُردو شاعری قومی اتحاد و امن کی فکری اساس پر قائم ہے جس کی آواز ہندوستان کی بہتی ندیوں، ساون کی مہکتی پھواروں اور زندگی کے اُبلتے چشموں کی روانی کے ساتھ ساتھ سماعتوں کو لطف دیتی رہے گی۔

❖❖❖❖

اردو نظم میں امن اور انسان دوستی کے عناصر

محمد جلیل اقبال خاکی
ریسرچ اسکالر سنٹر فار انڈین لینگویجز
جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

تمہید:

امن ایک کیفیت ہے جس کا خاصہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا سماج چاہتا ہے جہاں تمام معاملات معمول کے ساتھ بغیر کسی تشدد اور اختلافات کے چل رہے ہوں، اس کیفیت میں معاشرے کے تمام افراد کو سماجی مساوات اور سیاسی حقوق وتحفظ حاصل ہوتے ہیں، عمومی طور پر امن کو تباہ کرنے میں عدم تحفظ ، سماجی بگاڑ، معاشی عدم مساوات ، غیر متوازن سیاسی حالات، بے جا مذہب پرستی، نسل پرستی ، اور اجداد پرستی جیسے عوامل شامل ہیں۔

ادب کو لکھنے اور سننے کے وقت حرف کی حرمت اور طاقت نظر آتی ہے، اور اسی کے طفیل دستار کی عزت، باعزت اور باوقاروں سے واقفیت، سچ بولنے کی عادت، احترام آدمیت کی روایت، ملنے ملانے میں رغبت، رشتوں میں عافیت، جھوٹ سے نفرت جیسی خوبیاں معاشرے میں رائج ہوتی ہیں۔لیکن جب ادب کو لکھا اور سنا نہیں جاتا ہے، تب سماج میں جہالت عام ہو جاتی ہے، گمراہیاں سر اٹھانے لگتی ہیں،

عقل و دانش غائب ہونے لگتی ہے، تعلیمی ادارے دولت کمانے کی فیکٹریاں بن جاتے ہیں، کتابیں پڑھنے والوں کی تعداد نہ کے برابر ہو جاتی ہے، بداخلاقی اور بے راہ روی پر مبنی مواد کتابچوں کی صورت میں دستیاب ہونے لگتے ہیں، انٹرنیٹ ،فیس بک اور باقی سوشل میڈیا سائٹس، وقت گزاری کا ایک عام زریعہ بن جاتے ہیں۔

اعلیٰ پائے کا ادب ایک بالغ معاشرے کی پہچان ہوتا ہے، ادیب اور دانشور سماج میں چمکتے ہوئے ستاروں کی مانند ہوتے ہیں ، بقول ڈاکٹر سلیم اختر ، اندھوں گونگوں اور بہروں کے بے حس معاشرہ مین صرف ادیب ہی تو ہے جو اپنے خواسِ خمسہ کو بیدار رکھتا ہے، جب پتھر کے بتوں پر مشتمل معاشرے میں انسانی روابط عنقا ہو جاتے ہیں،تو صرف ادیب ہی اپنے خونِ جگر سے ان میں زندگی پیدا کرتا ہے۔ ادب محبت ہے، طاقت ہے،توقیر،تعبیر،تعمیر،تاثیر،اور قوموں کی تقدیر ہے۔ادب وہ واحد شعبہ ہے جو دیگر علوم میں دلچسپی اور آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے،اس کے ذریعے انسانی نفسیات اور سماجیات تک رسائی ملتی ہے،ادب ہی کسی درد کی تہہ تک پہونچ کر اسے سمجھنے کا وسیلہ فراہم کرتا ہے۔

اردو نظم میں امن کے عناصر

نظم ایک ایسی شعر صنف ہے ،جس میں شاعر بغیر کسی پابندی کے کسی خاص موضوع پر کوئی بھی مضمون پیش کر سکتا ہے۔اور یہی خوبی اس کو باقی اصناف ادب سے مختلف کرتی ہے، اردو ادب نظم کا باقاعدہ آغاز ایک صنف کے طور پر نظیر اکبر آبادی سے ہوتا ہے، اور نظیر کا وصف یہ ہے کے وہ عمومی شاعر تھے اور انہوں نے روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے۔نظیر نے زمانے میں زمانے کے بنائے ہوے نظام میں ایک انسان کی پستی کو اجاگر کیا ہے اور آدمیت کا درس دیا ہے ان کی ایک مشہور نظم آدمی نامہ کا ایک بند ملاحظہ ہو:

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار و بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

نظیر اکبرآبادی نے روٹی ،مفلسی، تیراکی کے میلے، کبوتر بازی ،تل کے لڈو،کورے برتن ،مہابیر کے میلے ،کنہیا جی کا جنم ،برسات، ہولی، آگرہ کی تباہی، جوانی،موت، روضہ، تج گنج ،وغیرہ جیسے موضوعات پر سخن نوازی کی اور اردو شاعری کو بادشاہی درباروں سے نکال کر عام انسان سے روبرو کروایا، یہیں سے اردو نظم میں انسان دوستی، امن کا پیغام اور معاشرے کی اصلاح شاعری کا ایک اہم جز بن گیا۔ بنجارنامہ، دارالمکافات، روٹی، خوشامد، پیسا، جیسی نظیر کی نظمیں اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔

ہندوستان کی پہلی ناکام جنگ آزادی کے بعد نظم کی بنیادیں مضبوط ہونے لگی تھیں، انجمن پنجاب کا قیام اس ضمن میں ایک اہم پیش رفت کے طور پر سامنے آیا، خواجہ الطاف حسین حالی، محمد حسین آزاد اور کرنل ہالرائڈ نے انجمن کے تحت مشاعرے منعقد کروائے اور اس کی بدولت اردو نظم کی بنیاد اور مضبوط ہوتی گئی۔ حالی کی زندگی کا سب سے بڑا جوہر جو اُن کی زندگی میں کندن کی طرح دمکتا رہا، اور ان کے کلام میں آج بھی چمکتا ہے ان کی انسانیت اور انسانی محبت ہے۔ ان کی زبان ان کے قلم ان کے افعال اور ان کے کردار سے بھی کوئی چیز ایسی ظاہر نہیں ہوئی جس سے کسی کا دل دکھتا ہو، انسانی خدمت ان کا نصب العین تھا اور یہی دین وایمان۔

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدا کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

وہی دوست خالق ہے ہر دوسرا کا
خلایق سے ہے جس کا رشتہ ولاکا
یہی ہے عبادت یہی ہے دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

مناظرہ رحم و انصاف حالی کی ایک شہرہ آفاق نظم ہے،جس میں وہ رحم اور انصاف کوتمثیلی پیرا ہے میں ڈال کرایک مکالماتی نظم کےطور پرپیش کیا،انصاف اور رحم امن کے بنیادی ستونوں میں سے اہم ستون ہیں، ملاحظہ ہوایک بند

رحم ہے نام میرا لطف و کرم کام میرا
فیض ویرانہ و آباد میں ہے عام میرا
میں ہر ایک درد میں انساں کے ہو جاتا ہوں شریک
میں نہ ہوتا تو نہ کوئی دیتا محتاج کو بھیک
رحم کہلائے جو مظلوم کی فریاد سنے
عدل ٹھہرے جو سزا ظالم بے رحم کو دے

آزادی ہر ذی روح کا بنیادی حق ہے،اوراس کو حاصل کرنے کے لئے جو ادب لکھا جاتا ہے وہ ادب بنیادی طور پر انسانیت کا خامی،اورامن کا خواہش مند ہوتا ہے، ہندوستان کی پہلی ناکام جنگ آزادی یعنی ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک جو بھی نظمیں لکھی گئی ہیں وہ انسانیت کا درد،امن کی کسک،اور آزادی کی امنگ سے لبریز ہیں،اسی دور میں ترقی پسند تحریک کا قیام ہوتا ہے جس نے ادب برائے ادب کوادب برائے زندگی کا روپ دیا،اوراس تحریک سے منسلک شعراء نے جتنی بھی نظمیں لکھیں ان سب میں سرمایہ داری کے خلاف معاشی برابری، جاگیردارانہ نظام سے بغاوت ،توہم پرستی کے خلاف تعقل پسندی ،اور سامراجی نظام سے آزادی جیسے مضامین کو اپنی نظموں میں پیش کیا۔اسی دوران،آزادی کی

نظمیں، ایک تاریخ ساز کتاب سامنے آتی ہے اس کی اشاعت دوسری عالمی جنگ کے ابتدا میں ہوئی، اور یہ کتاب برطانوی سامراج کی نظر میں اتنی خطرناک ثابت ہوئی کے فوراً صوبے کی سرکار نے اسے ضبط کرلیا، اس کتاب میں محمد حسین آزاد کی نظم حب وطن، خواجہ الطاف حسین حالی کی سیاست اور آزادی، اسماعیل میرٹھی کی آزادی غنیمت ہے اور اچھا زمانہ آنے والا ہے، مولانا شبلی کی احرار قوم اور طفل سیاست، سرور جہاں آبادی کی گلزار وطن، علامہ اقبال کی نیا شوالہ اور غلاموں کی نماز، ظفر علی خاں کی طاقت ایمان اور ہندوستان، پنڈت برج نارائین چکبست کی خاک ہند، اور ہمارا وطن، حسرت موہانی کی نجات، جوش ملیح آبادی کی شکست لمحہ آزادی اور انقلاب، جمیل مظہری کی نالہ جرس، فیض احمد فیض کی تسلی، اسرارالحق مجاز کی بدیشی مہماں، اور علی سردار جعفری کی نظم آگے بڑھیں گے جیسی معتبر نظمیں شامل ہیں۔ علامہ اقبال کی نظم نیا شوالہ سے ایک بند ملاحظہ ہو

آ غیرت کے پردے ایک بار پھر اٹھا دیں
بچھڑوں کو ملا دیں نقشہ دوئی مٹا دیں
سونی پڑی ہے مدت سے دل کی بستی
آ ایک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامان آسمان سے اس کا کلس ملادیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں وہ منتر میٹھے میٹھے
سارے پجاریوں کو مے پریت کی پلا دیں
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

علامہ اقبال کی نظموں کی بات کریں، تو ان کے ہاں دوموضوعات کی فراوانی

ملتی ہے ایک عشق، اور دوسرا خودی، دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں، عشق تو امن اور خدا پرستی سے لبریز ہے، عشق انسان کی معراج ہے، عاشق حقیقی ہو کہ مجازی ذاتی مفاد کے لئے کسی کو نقصان نہیں پہونچا تا اور نہ ہی کسی تشدد کے حق میں ہوتا ہے، بقول جون۔ایلیاء کہ خود کو تباہ بھی کر لیا اور ملال بھی نہیں، عاشق خود کو اذیت دے کر باقی انسانوں کو آسائشیں فراہم کرتا ہے علامہ کا فلسفہ خودی بھی ایک فرد کو اپنی آدمیت کی پہچان اس کے مقام ومرتبے کا حصول، کائنات میں انسان کی اہمیت جیسے اہم نکات کا مرکب ہے، علامہ کی نظمیں، ذوق وشوق، مسجد قرطبہ، ساقی نامہ، سرگزشت آدم، حضرت انساں، جیسی مقبول نظمیں انسانی عزمت وہمت کو اجاگر کرنے میں اہم رول ادا کرتی ہیں، ملاحظہ ہوں مسجد قرطبہ سے چند اشعار۔

تو ہو اگر کم عیار، مین ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات، موت ہے تیری برات
مردخدا کا عمل ہے عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
عشق دم جبرئیل، عشق دل مصطفی
عشق خدا کا ر سول عشق خدا کا کلام
عشق کے مضراب سے نغمہ تار حیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات

نظم ساقی نامہ سے خودی کی تعریف

خودی کیا ہے بیداری کائنات
خودی کیا ہے رازدرون حیات
خودی جلوہ بدمست و خلوت پسند
سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

انصاف امن کی ایک اہم بنیاد ہے۔ انصاف کے بغیر امن ناگزیر ہے۔ ادیب و شاعر نے معاشرے کی تمام نا انصافیوں کو اپنی تخلیقات میں پیش کیا ہے۔اردو نظم میں اس موضوع کی فراوانی ملتی ہے۔شاعر ایک حساس ذہن کا مالک ہوتا ہے۔اسے سماجی برائیاں غم اور دکھ پہنچاتی ہیں۔تقریباً ہر نظم گو شعرا نے سماج کی ناانصافیوں کو اپنا موضوعِ سخن قرار دیا ہے۔حبیب جالب کی نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو:

دیوار کو آ توڑیں بازار کو ہم ڈھائیں
انصاف کی خاطر ہم سڑکوں پہ نکل آئیں
مجبور کے سر پر شاہی کا وہی سایہ
بازار ہے وہ اب تک جس نے تجھے نچوایا
تقدیر کے قدموں پر سر رکھ کے پڑے رہنا
تائید ستمگر ہے چپ رہ کے ستم سہنا
حق جس نے نہیں چھینا حق اس نے نہیں پایا
بازار ہے وہ اب تک جس نے تجھے نچوایا

امن کو تباہ کرنے میں سب سے اہم کردار جنگ کا ہوتا ہے۔ جنگ کے سبب ہونے والی بربادی کا اثر ایک طویل مدت تک باقی رہتا ہے۔اسلئے شعرا اور ادباء نے جنگ کی مخالف میں خامہ فرسائی کی ہے۔انسانوں کا قتل ہونا اور معاشرہ میں وبا کا پھیلنا، بھوک سے غریب اور نہتی عوام کا مرنا، جنگ کے سبب اسلحہ اور بربادی کے سامان کی فراہمی میں معاشیات کا صرف ہونا، یہ تمام تر موضوعات اردو نظم گو شعرا کے سخن کا حصہ رہے ہیں۔شعرا نے جنگ کی مخالفت میں امن کی تلقین کی ہے۔ مثال کے طور پر حبیب جالب کی ایک نظم (شریف انسانوں) کا ایک بند ملاحظہ ہو:

خون اپنا ہو یا پرایا ہو
نسلِ آدم کا خون ہے آخر

جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں
امنِ عالم کا خون ہے آخر
جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے
جنگ کیا مسئلوں کا حل دے گی
آگ اور خون آج بخشے گی
بھوک اور احتیاج کل دے گی
اس لئے اے شریف انسانوں
جنگ ٹلتی رہے تو بہتر ہے
آپ اور ہم سبھی کے آنگن می
شمع جلتی رہے تو بہتر ہے

اردو نظم کو شعرا نے آغاز سے ہی امن وسکون، حق وانصاف رحم وانسانیت کو اپنا نصب العین بنایا ہوا ہے۔ اردو نظمیں کوئی شاعر ایسا نہیں ہوسکتا جس نے ظلم جور اور بد دیانتی کا ساتھ دیا ہو۔ اور نہ ہی ایسے سماج کے ساتھ رہا جو متعصب، بد دین اور فریبی ہو۔

شاعر وادیب نے اپنی تخلیقات میں اپنے مذہب کی اچھائیاں ضرور پیش کی ہیں، لیکن کسی دوسرے مذہب کی توہین نہیں کی، اردو زبان میں ایک بڑی تعداد ایسے ادباء وشعراء کی ہے، جنھوں نے کسی بھی مذہب کو نہیں مانا، اس کے برخلاف وہ شاعر وادیب جنھوں نے باقاعدہ مذہب کو ایک فلسفہ حیات کے طور پر اپنایا اور اپنی تخلیقات میں اسے پیش کیا، ان کے ہاں بھی دوسرے مذاہب کی عیب جوئی نظر نہیں آتی۔

اردو زبان وادب میں ایک بڑا طبقہ ایسے شعراء کا ہے جن کی نظموں میں بین المذہبی تہواروں کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ نظیر اکبر آبادی جب عید، شب برات،

بقرعید جیسی نظمیں تخلیق کرتے ہیں وہیں وہ ہولی، دیوالی رکشا، بندن جیسے تہواروں کو بھی موضوع سخن بناتے ہیں

ٹھیک اسی طرح شعراء بین المذاہب بزرگ ہستیوں اور مقدس جگہوں کی عظمت میں اشعار کہیں ہیں مثلاً علامہ اقبال کی نظم نانک اور رام، چکبست کی نظم آصف الدولہ کا امام باڑہ، انور جلالپوری کی منظوم گیتا اس کے علاوہ خواجہ غریب نواز ؒ، امام حسینؓ پہ بھی اشعار ملتے ہیں، شاعر وادیب کبھی متعصب نہیں ہوتے، نظیر اکبر آبادی کی نظم سے ایک بند

پھاگن رنگ جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
اور دف کے شور بڑھکتے ہیں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
پریوں کے رنگ دمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
خم، شیشے، جام چھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اردو نظم کے قد آور شعراء ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے ہیں، اور وہ کمیونسٹ اور سیکولر خیالات کے مالک تھے جن میں فیض احمد فیض۔علی سردار جعفری ،مخدوم محی الدین ،ساحر لدھیانوی ،جوش ملیح آبادی ،کیفی اعظمی ،اختر الایمان ،کشور ناہید، فہمیدہ ریاض ،ندا فاضلی اور، جاوید اختر، نمایاں ہیں۔ان کے شعراء کے ہاں روٹی کپڑا مکان، بھوک افلاس، مزدور، معاشی اور اقتصادی برابری جیسے موضوعات کی بہتات نظر آتی ہے ان کے ہاں کسی ملک اور قوم سے بڑھ کر ایک انسان زیادہ اہمیت رکھتا ہے، مثال کے طور پر قحط بنگال پر کیفی اعظمی کی نظم۔

کلکتہ کا جو ذکر کیا تونے ہم نشیں
اک تیر میرے سینے میں مارا کے ہائے ہائے
ہوتی ہوئی تباہ وہ گنجان بستیاں
چڑھتا ہوا قحط کا دھارا کے ہائے ہائے

جلتے ہوئے پیٹ وہ آنکھیں دھنسی ہوئی
بڑکا ہوا قضا کا شرارہ کے ہائے ہائے
قحط وہ بے کسی وہ حکومت کی بے بسی
وہ تاجران مست خود آرا کے ہائے ہائے

سماجی اور معاشی نابرابری کا اظہار علی سردار جعفری کی نظم رومان سے انقلاب تک

اک طرف اونچے اونچے محل
اک طرف جھونپڑے ہیں
اک طرف گوشت کے اوپر چربی کے بھرے دھرے ہیں
اک طرف سخت فولاد کے سخت اوصاب ہیں
اک طرف ظلم وجبر کی قوتیں ہیں
اک طرف عدل وانصاف کا زور ہے

مختصر یہ کے اردو نظم میں آغاز سے ہی ،غربت وافلاس ظلم وتشدد ،نسلی و مذہبی تعصب جیسے عیبوں کی خامیاں بیان کر کے امن و بھائی چارے انسان دوستی ،رحم و انصاف یکجہتی اور انسانیت کا درس دیا ہے اور یہ سلسلہ جاری وساری ہے

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

❖❖❖❖

جاہلی ادب میں امن وامان کا تصور

بلال احمد اصلاحی
ریسرچ اسکالر
جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی

ادب سماج کا عکاس ہوتا ہے اور سماج ادب کے لیے مصدر کا کام کرتا ہے۔ دونوں میں ہی تاثیر و تاثر اور عمل و ردعمل کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ سچا ادب وہ ہوتا ہے جو نہ صرف سماج کی صحیح تصویر کشی کرتا ہے بلکہ اس کی رہنمائی بھی کرتا ہے اور اخوت و محبت، ہم آہنگی و بھائی چارہ اور امن و آشتی کا درس دیتا ہے۔ ادب ایک ایسی دودھاری تلوار ہے جس سے پھل بھی کاٹا جاسکتا ہے اور گلا بھی۔ منحصر ہوتا ہے اس کے استعمال کرنے والے پر کہ وہ اس کو کس مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔

عہد جاہلی کا نام آتے ہی ہمارے سامنے ایک ایسے عہد کی تصویر عیاں ہوجاتی ہے جہاں ظلم و جبر، سرکشی و تعدی، جنگ و جدل اور جہالت و حماقت بالکل عام ہے۔ یہ بہت حد تک صحیح بھی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا سماج انہیں اوصاف سیہ سے متصف تھا۔ ایک دوسرے پر ظلم کرنا، جوا کھیلنا، شراب پینا وغیرہ ان کے لیے فخر کی بات تھی۔ وہ بچیوں کو زندہ درگور بھی کر دیا کرتے تھے۔ لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ عہد جاہلی کے عرب کچھ ایسے اوصاف حمیدہ سے بھی متصف تھے جو دوسری قوموں میں بہت کم پائے جاتے۔ مثلاً سخاوت و فیاضی، مہمان نوازی اور وفاداری وغیرہ۔

کہا جاتا ہے کہ ''الشعر دیوان العرب'' یعنی شعر عرب کی تاریخ وتہذیب اور معاشرت کا دفتر ہے۔ چنانچہ جب ہم مفضلیات، اصمعیات، معلقات، حماسہ اور دوسرے جاہلی دواوین کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس وقت کے سماج، ان کی بود و باش، رہن سہن، اعتقادات وخیالات، رسوم و رواج اور اصول وقوانین کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان اشعار میں جہاں جنگ وجدل کی گھن گرج اور شجاعت و بہادری کے کارنامے سنائی دیتے ہیں وہیں ان میں امن وامان اور صلح وآشتی کی دعوت بھی ملتی ہے اور جنگ کے برے نتائج سے آگاہ بھی کیا جاتا ہے۔

ان شاعروں میں ایک بڑا نام معلقہ کے شاعر زہیر بن ابی سلمی کا ہے۔ اس کے اشعار میں انسانیت کے لیے ایک آفاقی پیغام ہے۔ وہ محبت اور امن وشانتی کی دعوت دیتا ہے اور جنگ وجدل اور اس کی ہولناکیوں سے اظہار نفرت کرتا ہے۔ وہ ایسا شاعر ہے جس کے یہاں شدت جذبات کے ساتھ ساتھ عقل وفکر کا دریا بہتا ہے اور لوگوں کے اندر عقل وبصیرت کی روح پھونکتا ہے تاکہ وہ حق وباطل میں تفریق کر سکیں، حق کا ساتھ دیں اور ظلم سے باز آجائیں اور سماج میں امن وشانتی پھیل جائے۔

زہیر بن ابی سلمی کا یہ معلقہ ایک واقعہ کے پس منظر میں ہے۔ وہ یہ ہے کہ بنی عبس کے سردار قیس بن زہیر اور ذبیان کے سردار حمل بن بدر کے درمیان گھوڑ دوڑ کا مقابلہ ہوا، قیس کے گھوڑے کا نام داحس تھا اور حمل کی گھوڑی کا نام غبراء تھا۔ حمل بن بدر نے دھوکے سے قیس کے گھوڑے داحس کو اپنے آدمیوں کے ذریعہ بدکا دیا اور نتیجہ میں حمل کی گھوڑی جیت گئی۔ جب یہ بات قیس اور اس کے قبیلے عبس کو معلوم ہوئی تو وہ غصہ سے بھڑک اٹھے اور دونوں قبیلوں میں جنگ شروع ہوگئی جو چالیس سال تک چلتی رہی، جس کو حرب داحس والغبراء یا حرب السباق کہا جاتا ہے۔ ہرم بن سنان اور حارث بن عوف نے بڑی جدوجہد کے بعد ان دونوں قبیلوں میں صلح

کرائی اور اپنے پاس سے تین ہزار اونٹ دیت کے طور پر ادا کیا جس کی قیمت آج کے دور میں تقریباً اڑتیس لاکھ امریکی دالر بنتی ہے اور اس طرح انہوں نے امن قائم کیا اور بہت ساری جانوں کو ضائع ہونے سے بچالیا۔

زہیر بن ابی اسلمی ہرم بن سنان اور حارث بن عوف کے اس صلح کے کارنامے سے بہت متاثر ہوا اور ان کی خوب مدح کی۔ وہ کہتا ہے:

تدارکتما عبسا و ذبیان بعد ما
تغاوا و بقوا بینهم عطر منشم
و قد قلتما ان ندرك السلم واسعا
بمال و معروف من القول نسلم
فاصبحتما منها علی خیر موطن
بعیدین فیها من عقوق و مأثم
تُعفی الکلوم بالمئین فاصبحت
ینجمها من لیس فیها بمجرم

ترجمہ: تم دونوں سرداروں نے قبیلہ عبس و ذبیان کو باہم کٹ مرنے کے بعد اور عطر منشم پر عہد کرنے کے بعد بچالیا۔ یہ تمہارا بڑا کارنامہ ہے۔

تم دونوں سرداروں نے یہ اچھی بات کہی کہ ہم دونوں فریق آپس میں صلح و صفائی کرلیں تاکہ فساد و خونریزی سے محفوظ ہوجائیں اور یہ کام مال خرچ کرکے اور باہم گفتگو کرکے انجام پائے۔

اس طرح تم کو دونوں فریقوں میں صلح و صفائی کرانے کا نہایت اچھا موقع حاصل ہوا۔ تم دونوں اللہ تعالیٰ سے اجر پانے کے حق دار ہوگئے اور اس گناہ سے بھی دور رہے جو رشتوں کو کاٹتا ہے۔

اور اب لڑائی کے بعد اس کے نقصانات کی تلافی کرنے کے لیے تاوان جنگ کے طور پر وہ شخص اونٹ دے رہا ہے جو بے خطا تھا، جس کی کوئی غلطی نہ تھی۔

زھیر ایسے لوگوں کی مذمت کرتا ہے جو جنگ کو جاری رکھنا چاہتے ہیں اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ حصین بن ضمضم کی ہجو کرتا ہے جس نے اپنے بھائی کے قتل پر قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ اس کا بدلہ نہ لے گا اپنا سر نہیں دھوئے گا۔ دونوں قبیلوں میں صلح ہوگئی لیکن حصین نے موقع پا کر ایک عبسی شخص کو قتل کر دیا، قبیلہ عبس نے بھی اس کا انتقام لے لیا۔ پھر قریب تھا کہ جنگ کا شعلہ ایک بار پھر بھڑک اٹھے لیکن کسی طریقے سے اس کو ٹھنڈا کیا گیا۔ زہیر حسین بن ضمضم کی ہجو میں کہتا ہے:

لعمری لنعم الحیُّ جرّ علیھم
بما لا یواتیھم حصینُ بن ضمضم[۲]

میری عمر کی قسم وہ قبیلہ بہت اچھا ہے اور اس کے ساتھ حصین بن ضمضم نے نہایت ہی بُرا برتاؤ کیا۔ اس پر جنگ کا تاوان ڈال دیا۔

ایسے عہد میں جب بستر پر مرنا عار سمجھا جاتا ہو اور جنگ اتنی عام بات ہو کہ اس کو ''ایام'' کا نام دے دیا جائے۔ اس میں شاعر امن و امان کی بات کرے اور جنگ ترک کرنے کی دعوت دے ایک بہت بڑی بات ہے۔ زہیر جنگ کی ہولناکیوں کا تذکرہ کرتا ہے اور اس کے نتائج اور عیوب بیان کرتا ہے تاکہ لوگوں کے دل میں اس کے تئیں نفرت پیدا ہو۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

وما الحرب الا ما علمتم و ذقتم
وما ھو عنھا بالحدیث المرجَّم
متی تبعثوھا تبعثوھا ذمیمۃ
و تضر اذا ضریتموھا فتضرَمِ

فتعرککُم عرك الرحى بتغالها
و تلقح کشافا ثم تنتج فتئتم
فتنتج لکم غلمان اشأم کلهم
کأحمر عادٍ ثم ترضع فتفطم
فتغیل ولکم مالا تغل لأهلها
قرئ بألعراق من قفیزٍ و درهمٍ[۳]

ترجمہ: تم سب اچھی طرح جانتے ہو کہ لڑائی کتنی خطرناک چیز ہے، تم اس کا مزہ بھی چکھ چکے ہو، میں یہ بات اٹکل سے نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ تجربہ اور تحقیق کی روشنی میں بتا رہا ہوں۔

جب تم جنگ کی آگ بھڑکاؤ گے تو وہ اچھی طرح بھڑک اٹھے گی لیکن یہ اچھا نہ ہوگا، اگر تم اس کو حرص دلاؤ گے تو اس کی حرص اور بڑھ جائے گی۔

بس پھر وہ جنگ تم کو اس طرح پیش کر رکھ دے گی جیسے چکی اناج کے دانے کو اپنی کھال پر پیس ڈالتی ہے۔ پھر وہ جنگ ہر سال حاملہ ہوگی اور ہر دفعہ جڑواں بچے جنے گی۔

اس جنگ سے احمر (قدار) جیسے منحوس بچے پیدا ہوں گے (جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو کونچیں کاٹ دیں اور وہ ساری قوم کی ہلاکت کا سبب بن گیا) پھر وہ لڑائی ان بچوں کو دودھ پلائے گی اور کبھی ان کا دودھ چھڑائے گی۔

اور جب لڑائی کا سلسلہ بڑھ جائے گا تو وہ ایک کشادہ اور زرخیز زمین کی طرح ہوگی اور تم کو اپنی پیداوار میں سے اس قدر غلہ اور پیسہ دے گی جتنی سرزمین عراق کے سرسبز وشاداب دیہاتوں سے بھی نہ ملے گی۔

اس طرح ہم دیکھ سکتے ہیں کہ زہیر نہ صرف امن وآشتی کا درس دیتا ہے اور جنگ کی تباہ کاریاں بیان کرتا ہے بلکہ وہ جنگ چاہنے والوں کی ہجو کرتا ہے اور ان

کی مذمت کرتا ہے۔ وہ ان کی مدح کرتا ہے جو امن پسند ہوتے ہیں۔ حضرت عمر الفاروقؓ اس کو بہت پسند فرماتے ہیں اور اس کو شاعر الشعراء کا خطاب دیتے ہیں۔ کیونکہ اس کے کلام میں اجنبیت نہیں پائی جاتی، وہ جو چیز نہیں جانتا اس کو نہیں کہہ سکتا اور کسی کی بے جا مدح نہیں کرتا ہے۔ [۴]

ایک بڑے ناقد محمد النویہی لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک زہیر جاہلی شعراء میں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے اور اس کی کئی وجوہات ہیں۔ وہ بااخلاق اور معاشرت پسند ہے۔ بلند افکار اور اعلیٰ اقدار کا حامل ہے۔ وہ سرکشی اور ظلم و جبر کے ان قوانین کے خلاف کھڑا ہوتا ہے جو عربوں کے لیے فخریہ تھی، اس کے اندر امن و صلح کا مادہ بھرا ہوا ہے اور وہ جنگ اور اس کے چاہنے والوں پر کاری ضرب لگاتا ہے''۔ [۵]

خطبہ جاہل ادب کی بہت مشہور صنف ہے۔ شاعر کی طرح خطیب کو بھی عرب میں بہت اچھی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ایک دفعہ سُبیع بن الحرث اور میثم بن مثوب کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو جاتا ہے اور جنگ کی نوبت آ جاتی ہے تو مرثد الخیر درمیان میں صلح کرانے آتا ہے اور نہایت شاندار خطبہ دیتا ہے۔ اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے جو جنگ کے عواقب کے بارے میں ہے:

"فقد عرفتم انباء من كان قبلكم من العرب ممن عصى النصيحة وخالف الرشيد وأصغى إلى التقاطع، ورايتم ما آلت إليه عواقب سوء سعيهم، و كيف كان صيور أمورهم، فتلافوا القرحة قبل تفاقم الثاى، واستفحال الداء، وإعواز الدواء، فانه إذا سفكت الدماء استحكمت الشحناء، وإذا استحكمت الشحناء تقضيت عرى الإبقاء وشمل البلاء"۔ [۶]

ترجمہ: تم اپنے پیش رو عرب سے اچھی طرح واقف ہو جنہوں نے نصیحتوں

کا انکار کیا اور سچائی کی مخالفت کی اور ایک دوسرے سے قطع تعلق کرلیا۔ ان کی اس غلطی کا جو انجام کیا ہوا تم اس کے شاہد ہو۔ زخم کا علاج کرلو قبل اس کے کہ وہ پھوڑا بن جائے، مرض شدت اختیار کرلے اور دوانا پیدا ہوجائے، جب خون بہتا ہے تو بغض وعداوت جڑ پکڑ لیتی ہے اور جب بغض وعداوت جڑ پکڑ لے تو عزتیں پامال کر ہی جاتی ہیں اور مصیبتیں عام ہوجاتی ہیں۔

بکر وتغلب کی لڑائی جس کو 'قرب بسوس' کہا جاتا ہے، بہت مشہور ہے جو سالہا سال تک لڑی گئی۔ منذر بن ماء السماء نے قبیلہ بکر اور تغلب کے درمیان صلح کرائی اور قیس بن شراجیل بن قرہ کو اس صلح کا وکیل بنایا۔ حارث بن حِلِّزہ الشیکری اس کی مدح میں کہتا ہے:

قيس تدارك بكر العراق
و تغلب من شرها الأعظم
و أصلح ما أفسدوا بينهم
و ذلك فعل الفتى الأكرم
و بيت شراحيل من وائل
مكان الثريا من الأنجم[۲]

ترجمہ: قیس نے عراق کے بکر وتغلب کو جنگ کی خطرناک برائی سے نجات دلائی۔ اور اس نے ان کے بگڑے ہوئے رشتوں کو درست کیا اور ایسا کام شرفاء ہی انجام دیتے ہیں۔

وائل قبیلہ کے شراجیل کا گھر اپنی عزت وعظمت میں ثریا ستارے کو پہنچا ہوا ہے۔

ذوالاصبع العدوانی بھی جاہلی دور کا ایک ممتاز شاعر ہے اور جنگ کی ہلاکت کو

بیان کرتا ہے کہ اس کا جام پینے والا کبھی سیراب نہیں ہوتا بلکہ اس کو مزید کی پیاس لگ جاتی ہے۔ وہ بار بار محبت اور صلۂ رحمی کی بات کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔ وہ کہتا ہے:

فان علمتم سبيل الرشد فانطلقوا
وإن جهلتم سبيل الرشد فأتوني
ماذا علي وإن كنتم ذوي رحمي
ألا أحبكم إن لم تحبوني
لو تشربون دمي لم يرو شاربكم
ولا دماءكم جمعا ترويني
قد كنت أوتكم ثم نصحي وامنعكم
ودي على مثبت في الصدر مكنون[۸]

ترجمہ: اگر تمہیں حق کا راستہ معلوم ہے تو اس کو اختیار کرو اور اگر نہیں معلوم تو میرے پاس آؤ میں تمہیں بتاؤں گا۔

تم میرے رشتہ دار ہو اور میں تم سے محبت کرتا ہوں، اگرچہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔

اگر تم میرا خون پینا چاہتے ہو تو سن لو کہ پینے والا کبھی سیراب نہیں ہوگا اور نہ ہی تم سب لوگوں کا خون مجھ کو سیراب کر سکے گا۔

میں تم کو نصیحت کرتا ہوں اور اپنی دائمی محبت کا جام پیش کرتا ہوں، ایسی محبت جو میرے دل میں چھپی ہوئی ہے۔

عربوں کے اندر خدمت خلق کا جذبہ بھی پایا جاتا تھا۔ وہ بہت مہمان نواز ہوتے تھے اور جود و سخا میں ممتاز تھے۔ جاہلی شعراء کے دواوین سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ٹیلوں اور اونچی جگہوں پر آگ جلاتے تھے تاکہ مسافر آسانی سے ان تک

پہنچ سکے اور وہ اس کی مہمان نوازی کرسکیں۔ بلکہ دیکھا جائے تو عربوں کے پینے پلانے اور جوے کا مشغلہ بھی اس لیے ہوتا تھا تا کہ وہ خوب فیاضی کرسکیں۔ حاتم طائی اپنی فیاضی اور مہمان نوازی کے لیے ساری دنیا میں مشہور ہے جو اسی عہد جاہلی سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ اپنے قصیدہ میں کہتا ہے:

أماوی إن المال غار و رائح
و یبقی من المال الاحادیث والذکر
وقد یعلم الأقوام لو أن حاتما
أراد ثراء المال کان له و فئر۹

ترجمہ: اے میری بیوی ماویہ! مال و دولت تو آتی جاتی رہتی ہے لیکن مال خرچ کرنے سے باتیں اور یادیں زندہ رہتی ہیں۔

دنیا کو معلوم ہے کہ اگر حاتم دولت مندی چاہتا تو اس کے پاس ڈھیر ساری دولت ہوتی۔

ایک مرتبہ حاتم کی بیٹی سفانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قید ہوکر آئی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑی ہوئی اور بولی:

''میرے والد گردنوں کو آزاد کرتے تھے، عزت کی حفاظت کرتے تھے، مہمان نوازی کرتے تھے۔ پریشان حال لوگوں کی پریشانی دور کرتے تھے۔ لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے اور امن وآشتی پھیلاتے تھے۔ انہوں نے کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اے لڑکی! یہ تو مومن کی صفت ہے۔ اگر تمہارے والد مسلم ہوتے تو ہم ان کے ساتھ ضرور رحم کا معاملہ کرتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس لڑکی کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ اس کے والد حسن اخلاق کو پسند کرتے تھے''۔ ۱۰

عرب حاجیوں کی خدمت کو سعادت سمجھتے تھے اور قریش کی بہت عزت کرتے

تھے۔ جس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ حاجیوں کا بہت خیال رکھتے تھے اور ان کی خدمت کرتے تھے۔ اس بے آب وگیاہ علاقہ میں وہ حاجیوں کو پانی پلاتے تھے۔ چنانچہ ایک شاعر حذیفہ بن غانم کہتا ہے:

وسا فی الحجیج ثم للخیر هاشم
و عبد مناف ذلك السید الفهر
یطوبی زمزما عند المقام فاصبحت
سقایة فخرا علی کل ذی فخر ۱۱

ترجمہ: حاجیوں کو پانی پلا کر سارا خیر بنو ہاشم وعبد مناف لوٹ کر لے گئے۔ وہی لوگ حقیقی سردار ہیں۔

عبدالمطلب نے مقام ابراہیم کے پاس زمزم کنوئیں کی تعمیر کی۔ پانی پلانا ہر فخر کرنے والے کے لیے فخر کی بات ہوگئی۔

دور جاہلیت میں چار مہینے ایسے تھے جن کو 'حرام مہینے' کہا جاتا تھا، وہ مہینے تھے: ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب۔ ان مہینوں میں لڑائی بند کر دی جاتی تھی اور پورے عرب میں امن وامان ہوتا تھا۔ انہیں مہینوں میں حج ہوتا تھا اور لوگ مامون ہو کر گھروں سے نکلتے تھے اور دشمن دوست سب مل کر حج کے مناسک ادا کرتے تھے۔ نعمان بن منذر نے کسریٰ کے سامنے اس پر فخر کرتے ہوئے اپنے خطبے میں کہا:

"فیلقی الرجل قاتل أبیه أو أخیه، وهو قادر علی أخذ ثأره وإدراك رغمه منه فیحجزه کرمه و یمنعه دینه ون تناوله بأذی"۔ ۱۲

ان مہینوں کے دوران آدمی اپنے والد یا اپنے بھائی کے قاتل سے ملتا ہے اور وہ اپنا بدلہ لینے پر قادر ہوتا ہے لیکن اس کی شرافت اور اس کا دین اس کو

کوئی بھی تکلیف پہنچانے سے باز رکھتا ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ عہد جاہلی میں عرب جنگ کے خوگر تھے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر جنگ شروع ہوجاتی تھی لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امن وامان کو برقرار رکھنے کے لیے اپنا مفاد بھی قربان کر دیتے تھے اور کوشش یہی ہوتی تھی کہ جنگ نہ کی تباہی سے بچا جاسکے۔ ذیل میں ہم ایک واقعہ بطور مثال پیش کرتے ہیں جس میں ساری انسانیت کے لیے ایک پیغام ہے:

ایک دفعہ بنو عامر کے دو سردار عامر بن طفیل اور علقمہ بن عُلاثہ کے درمیان مفاخرت شروع ہوگئی کہ ان میں کون سب سے افضل ہے؟ دونوں اپنے کارنامے وغیرہ بیان کرتے ہیں اور بہترین انداز میں دونوں کے درمیان تفصیلی مکالمہ ہوتا ہے۔لیکن ان میں سے کوئی اپنی شکست تسلیم کرنے کے لیے راضی نہیں ہوتا۔ پھر طے پاتا ہے کہ حکم بنالیا جائے اور جو بھی حکم بنے گا اس کو سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ انہوں نے سفیان بن حرب، ابوجہل، عیینہ بن حصن، غیلان بن سلمہ الثقفی اور حرملہ بن اُشعر المری کو یکے بعد دیگرے حکم بنایا لیکن سب نے معاملہ کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے حکم بننے سے انکار کر دیا کہ مبادا فیصلہ سے دونوں خاندان کے درمیان جنگ نہ شروع ہوجائے۔ وہ چاہتے تو حکم بن کر فیصلہ دے دیتے اور سو اونٹ لے کر کنارے ہوجاتے لیکن انہوں نے فائدہ پر امن کو ترجیح دی۔ پھر عامر بن طفیل اور علقمہ بن علاثہ دونوں ھرم بن قطبہ کے پاس پہنچے۔اس نے اس شرط پر حکم بننا قبول کرلیا کہ دونوں فریق اس کے فیصلہ کو بسر وچشم قبول کریں گے اور کہا کہ وہ آئندہ سال فلاں تاریخ کو اس کا فیصلہ کرے گا۔ پھر ھرم بن قطبہ نے چپکے سے عامر کو بلایا اور کہا کہ تم مقابلہ ہار سکتے ہو۔اس پر وہ ڈر گیا اور برابری پر صلح کے لیے راضی ہوگیا، پھر اس نے علقمہ بن علاثہ کو چپکے سے بلایا اور اس سے بھی وہی بات کہی۔ وہ بھی ڈر گیا اور صلح کے لیے تیار ہوگیا۔ چنانچہ جب فیصلے کا دن آیا تو اس نے کسی کو کسی پر

فضیلت نہیں دی اور برابری پر صلح کرا دی۔ اس نے دونوں لوگوں کی طرف سے دس دس اونٹ ذبح کروا کر دونوں پارٹیوں میں تقسیم کرا دیا۔ [۱۳]

"واللہ إنی لبشر و إنك لفاجر وإنی لولودو إنك لعاقر، وإنی لعف وإنك لعاهر، وإنی لوفی وإنك لغادر"۔ [۱۴]

ترجمہ: خدا کی قسم میں نیکوکار ہوں اور تم فاسق و فاجر ہو، میں صاحب اولاد ہوں اور تم بے اولاد ہو، میں پاک دامن ہوں اور تم بدکار ہو۔ میں وعدہ وفا کرتا ہوں اور تم بے وفائی کرتے ہو۔

اس پوری بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عہد جاہلیت میں جس کو عام طور سے جنگ وقتال اور ظلم و جہالت کا عہد سمجھا جاتا ہے، شعراء وخطباء کی ایک بڑی تعداد تھی جس نے جنگ کی مذمت کی اور امن وصلح کی دعوت دی، وہ خدمت خلق اور مکارم اخلاق پر فخر ومباہات کرتے اور کوشش کرتے تھے کہ امن وامان کو خطرہ لاحق نہ ہو اور جس کو ہر حال میں برقرار رکھا جائے۔

حوالہ جات

۱: المعلقات السبع برواية الأنباری، ص ۵۰، مؤسسة جائزة عبدالعزيز سعود البابطين للإبداع الشعری، الكويت، ۲۰۰۳ء

۲: حوالہ سابقہ، ص ۵۳

۳: حوالہ سابقہ، ص ۵۱

۴: مصطفی السقا: مختار الشعر الجاهلی، جلد اول، ص ۲۳۴، القدس للنشر والتوزيع، القاهرة، ۲۰۰۹ء

۵: ڈاکٹر محمد النويهی: الشعر الجاهلی، جلد دوم، ص ۶۴۶، الدار القومية للطباعة والنشر، القاهرة، من طباعت غیر مذکور۔

۶: احمد زکی صفوت: جمہرۃ خطب العرب فی عصور العربیۃ الزاھرۃ، جلد اول، ص۲، شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفی البانی الحلبی وأولادہ بمصر، ۱۹۲۳ء

۷: رجال المعلقات العشر، المکتبۃ الشاملۃ (الموقع الرسمی)۔

۸: احمد حسن الزیات: تاریخ الادب العربی، ص۳۲، اتحاد بک ڈپو دیوبند، سن طباعت غیر مذکور۔

۹: حوالہ سابقہ، ص ۵۷

۱۰: حوالہ سابقہ

۱۱: ابن ھشام: السیرۃ النبویۃ، جلد اول، ص ۱۱۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، سن طباعت غیر مذکور۔

۱۲: احمد زکی صفوت: جمہرۃ خطب العرب فی عصور العربیۃ الزاھرۃ، جلد اول، ص ۱۷، شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفی البانی الحلبی وأولادہ بمصر، ۱۹۲۳

۱۳: حوالہ سابقہ، ص ۸

۱۴: حوالہ سابقہ، ص ۹۷

❖❖❖❖

عالمی امن میں اُردو زبان و ادب کا کردار

پرویز احمد راتھر
ریسرچ سکالر برکت اللہ یونیورسٹی
بھوپال (ایم۔ پی)

تمام جہاں میں چرچا ہے اُس کے لہجے کا
مجھے یقیں ہے کہ وہ شخص اُردو بولتا ہے

وہ زبان جس کا ادب عالمی ادب سے آنکھیں چار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جس کی شیرینی اور لطافت کے سبھی معترف ہوں جو کسی بھی تہذیب وثقافت اور معاشرت میں امن وامان قائم رکھتے ہوئے اپنے گلشنِ زیست کی بقا کا حق رکھتی ہو میری فکر ونظر میں وہ اُردو زبان ہے۔

دورِ حاضر میں اردو زبان کا شمار دنیا کی سات بڑی زبانوں میں ہوتا ہے۔ ہماری ساری تہذیبی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور روحانی قدریں اسی زبان میں زندہ ہیں۔ اردو زبان میں علمی وادبی لیاقت، وسعت اور جامعیت اس بات کی غماز ہے کہ اس کو چھوڑ دینا تنزل اور گراوٹ کی دلیل ہے۔ اردو ایک مخلوط زبان ہے۔ مختلف احساس، فکر، زبان، معاشرت وتہذیب کو باہم مربوط کرنے کے ارتقاء کی راہ پر گامزن کرنا اس کی سرشت میں شامل ہے۔ زبانیں اس سے پہلے بھی

موجود تھیں اور آگے بھی وقت اور حالات کے پیشِ نظر پیدا ہوتی رہیں گی لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا اشد ضروری ہے کہ اردو زبان جس مقصد کے پیشِ نظر معرضِ وجود میں آئی ہے ایسا ہمہ گیر و ہمہ پہلو مقصد بہت کم زبانوں کی بنیاد میں موجود ہے۔ آپسی میل ملاپ اور یگانگت جس شے کا بھی مقصد ہوتا ہے وہ ہر دور میں ارتقاء پذیر ہوتی ہے۔ اردو زبان کے معرضِ وجود میں آنے کے پیچھے بھی آپسی بھائی چارہ کے اغراض و مقاصد مضمر و پوشیدہ ہیں۔ اگر کسی شخص سے یہ سوال کیا جائے کہ جنابوالا ہمیں یہ بتایئے کہ دورِ حاضر میں امن و آشتی محبت و اخوت، رواداری وسیکولرازم کی ضرورت ہے؟ تو وہ خاموش رہے گا اور دل میں یقین کر لے گا کہ سوال پوچھنے والا عقل بند ہے اس کے حواس باختہ ہو گئے ہیں، یہ ایسی چیز کی اہمیت وافادیت جھٹلانے کے درپہ ہے جو انسانی فطرت کی سرشت میں شامل ہے۔ اردو زبان کی ارتقائی تاریخ پر نظر ڈالئے تو یہ بات کھل کے سامنے آئے گی کہ اس کی نمود وآغاز کی داستان اِنہی بنیادی قدروں کی آبیاری کے پیشِ نظر معرضِ وجود میں آئی ہے۔

جنوبی ہندوستان کی بہمنی سلطنت اور اس کے بعد عادل شاہی اور قطب شاہی دور کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجئے تو یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ ان نگاہ رسا رکھنے والے بادشاہ وامراء نے کس طرح اس زبان کی آبیاری کرتے ہوئے اپنے ملکِ عزیز میں امن واستحکام کی بنیادوں کو مستحکم کیا اور عوام الناس کو اخوت، رواداری اور آپسی مروت کے جذبے سے کس طرح سرشار کیا۔ چونکہ وہ لوگ جانتے تھے کہ ترقی کی راہیں امن کے ماحول میں منزلِ مقصود کے ساتھ جا ملتی ہیں۔ اُس دور کو بھی چھوڑ یئے اور تھوڑا ماضی قریب کی طرف آیئے تو آپ اپنے وطنِ عزیز کو انگریز قوم کے تسلط میں گھرا ہوا پائیں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ جنگِ پلاسی کی شکست وریخت، غدر کی تباہی کہیں نہ کہیں ہمارے اندر عدم مساوات کی وجہ سے ہی ہوئی۔ اُس دور

تک درست آج کی طرح لوگ اردو زبان کی بنیادی خصوصیات سے کسی حد تک ناواقف تھے حالانکہ اُس دور میں اردو کے بڑے بڑے ماہر موجود تھے لیکن عام لوگ اس زبان کی اہمیت اور خصوصیت سے ناواقف تھے۔ لوگوں میں مختلف بولیاں اور زبانیں رائج تھیں وہ اپنی بولیوں اور زبانوں کے انداز میں سوچتے تھے۔ گجراتی گوجری میں اور مراٹھے مراٹھی میں سوچتے تھے۔ اورضرورت اگر تھی تو اس بات کی تھی کی ملک بھر کے لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر کھڑا کیا جائے اور عوام الناس ایک نہج اور ایک نوعیت پر سوچنے لگیں تا کہ سارے ہندوستانی ایک ہی جذبے سے سرشار ہو کر وطنِ عزیز کو باطل کے پنجہء استبداد سے آزاد کرانے میں جٹ جائیں۔ بالآخر یہ حکم اردو زبان نے مجاہدِ آزادی بن کر سرانجام دیا۔ لہذا یہ ہندوستان کی واحد زبان ہے جس سے نعرۂ انقلاب کا خالق ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ زبان ہندوستان کے لوگوں کو ایک جگہ جمع کرنے میں موثر ثابت ہوئی اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ یہ زبان اور اس کی مٹھاس یہاں کے لوگوں کے رگ وریشہ میں بسی ہوئی تھی۔

لیکن ان ہمہ گیر خصوصیات کے باوجود یہ زبان لگ بھگ گزشتہ ایک صدی سے تعصب و تنگ نظری کا شکار رہی ہے۔ حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ اردو خالص ہندوستان کی زبان ہے۔ مسلمانوں سے اس کا انتساب تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ دنیا کے تمام اہلِ علم اور لسانیات سے وابستگی رکھنے والے حضرات اس بات سے پوری طرح واقف ہیں کہ اردو زبان ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کی ضامن ہے اس گنگا جمنی تہذیب کی داستان نہایت ہی قدیم ہے لیکن اس کے باوجود دورِ حاضر میں اردو زبان وادب کی اہمیت وافادیت پر طویل و بسیط مقالہ آئے دن رسائل و جرائد اور اخبارات کی زینت بنے ہوئے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم زبانوں کی خصوصیات بھانپنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ دراصل اردو

زبان کی بدحالی کی جتنی داستانیں ہیں ان میں اردو والوں کی کوتاہ اندیشی ، بے حسی اورغفلت شعاری کا ہاتھ ہے۔ یہ حضرات حکومتوں سے شکووں اور شکایات کے عادی ہو چکے ہیں اور شاید یہی سمجھتے ہیں کہ اردو زبان وادب کی بقاء کا انحصار حکومت کی سرپرستی پر ہے جبکہ زبانیں حکومتوں کے بل پر زندہ نہیں رہتیں ہاں اتنا ضرور ہے کہ حکومت کی سرپرستی سے زبان کی ترقی میں تیزی آجاتی ہے مگر دراصل زبان کے بولنے والے ہی زبان کی زندگی اور ترقی کے ضامن ہوتے ہیں۔آج کا مسلم معاشرہ خصوصاً عربی اور فارسی زبان سے تقریباً نابلد ہے اسی زبان کے سہارے اپنے بچوں کی فہم کو حضور اکرم ﷺ کی ابدی، تہذیبی، معاشی، معاشرتی، تمدنی اور اخلاقی رواداری سے سنوار سکتے ہیں۔

اس زبان کی افسوس ناک حالت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ دوسری زبانوں خاص کر ہندی اور انگریزی کے ایسے اخبارات و رسائل خریدنے میں بھی اردو والوں کو کوئی عار نہیں جنہیں پڑھنے کے لئے نہ ان کے پاس وقت ہے اور نہ استداد مگر وہ اردو کی کتابیں اور رسالے نہیں خریدتے۔ یہ بیماری زیادہ تر ان حضرات کا خاصہ بن چکی ہے جو اردو کے ذریعے اپنے اور اپنے خاندان کے پیٹ کی آگ بجھاتے ہیں کچھ دہائیوں سے حکومتِ ہند نے اس زبان کی آبیاری کے لئے ملک کی مختلف ریاستوں میں اردو اکادمیوں کا وجود عمل میں لایا ہے اور اردو کے ان اداروں کو بجٹ کے ساتھ ساتھ خودمختاری بھی دی گئی ہے۔لیکن یہ کام دراصل اخلاص اور جذبے کا ہے صرف روپئے کا ہی نہیں۔ کچھ ریاستوں نے اردو کو روزی روٹی سے جوڑنے کی بات کہی ہے جو انتہائی نیک فعال ہے کیونکہ جب کسی زبان کا رشتہ روزی روٹی سے استوار ہوتا ہے تو اس کے پھلنے پھولنے کے امکانات زیادہ روشن ہوجاتے ہیں مگر اردو زبان وادب کی ترقی کے لئے ضراری ہے کہ روزی روٹی کے علاوہ اس کا رشتہ دلوں سے بھی استوار ہو۔ بہر حال آمدم برسر مدعا۔

بکھری ہوئی تھی زلف جہانِ خیال کی
اردو زباں نے اس کو سنوارا بڑا کیا

لسانی ارتقاء کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے تو یہ زبانوں کی تاریخ میں کہیں تحریر نظر نہیں آئے گی کہ ایک جگہ دنیا میں ایسی تھی جہاں مختلف مذاہب وطرزِ معاشرت کولوگ موجود تھے ان لوگوں کو آپس میں ملانے کے لئے ایک نئی زبان اُبھر کر سامنے آئی اور اس کا آگے بڑھ کر تُرقی، انگریزی لاطینی وغیرہ نام پڑا یہ واحد اردو زبان ہے جس کے بارے میں نوشتہ بالا باتیں سو فیصد حق بجانب ہیں۔ زبان فقط افکار وخیالات، تجربات واحساسات اور مافیہا ضمیر کو دوسروں پر منکشف کرنے افہام وتفہیم اور ترسیل وابلاغ پیدا کرنے کا موثر ذریعہ ہی نہیں بلکہ زبان کے اندر دنیا کے تمام علوم اور علوم کے مختلف شعبہ جات کی کئی اَن دیکھی بستیاں آباد ہوتی ہیں۔ زبان صدیوں کے اُلٹ پھیر کے بعد وجود میں آتی ہے اور اس کے اندر علم وحکمت کے خزائن اس سے بھی زیادہ مدت میں درآتے ہیں۔ اردو زبان کے ماضی، حال اور مستقبل پر تاریخی شواہد سامنے رکھ کر نظر ڈالئے تو اس کے اندر نہ صرف وطنِ عزیز کی تاریخ کی جھلکیاں نظر آئیں گی بلکہ علم حکمت کے میدان میں جس قدر اور جتنی ترقی ہم نے کی ہے وہ بھی اور جسقدر باقی ارتقاء مقصود ہے اس کے آثار بھی نظر آئیں گے۔

اگر ہم نے امنِ عالم کی تاریخ سے جڑا رہنا ہے، اگر ہمیں پورے عالم کی ثقافت سے الفت ہے اور اپنی نظروں میں اس کی کوئی قدر و قیمت ہے تو ہمیں اردو زبان وادب سیکھنا اور سکھانا ہوگا اور اس کے ذریعے علم وحکمت کے خزائن کو اپنا کر عالمی امن میں حصہ دار بننا ہوگا۔ یہ ازل سے ہماری معاون اور عزیز ساتھی رہی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر ذی حس جناب داغ دہلوی کے یہ الفاظ گنگنانے پر مجبور ہے۔

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

بقول اختر شیرانی

یارب رہے سلامت اردو زباں ہماری
ہر لفظ پر ہے جس کے قرباں جاں ہماری
مصری سی تولتا ہے شکر سی گھولتا ہے
جو کوئی بولتا ہے اردو زباں ہماری
ہندو ہو پارسی ہو عیسائی ہو کہ مسلم
ہر ایک کی زباں ہے اردو زباں ہماری
دنیا کی کل زبانیں بوڑھی سی ہو چکیں ہیں
لیکن ابھی جواں ہے اردو زباں ہماری
افریقہ ہو عرب ہو امریکہ ہو کہ یورپ
پہنچی کہاں نہیں ہے اردو زباں ہماری
دنیا کی بولیوں سے مطلب نہیں ہمیں کچھ
اردو ہے دل ہمارا اردو ہے جاں ہماری

❖❖❖❖

ماہ ستمبر میں گورنمنٹ ڈگری کالج ڈوڈہ میں دو روزہ مجوزہ قومی کانفرنس منعقد ہوگی

ریاست اور بیرون ریاست کے ادیبوں، دانشوروں اور قلمکاروں میں بھاری جوش و جذبہ

مدثر حسین

ڈوڈہ// "ہندو پاک کے اُردو ادب میں انسان دوستی و محبت کا پیغام" کے موضوع پر ماہ ستمبر میں گورنمنٹ ڈگری کالج ڈوڈہ میں منعقد ہونے والی دو روزہ مجوزہ قومی کانفرنس پر ریاست جموں کشمیر اور ریاست سے باہر ادیبوں دانشوروں قلمکاروں میں بھاری جوش و جذبہ پایا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں پٹنہ سے معروف افسانہ نگار رومانہ تبسم، حیدرآباد سے کالم نگار فاروق طاہر، بہار کی جواں سال شاعرہ فریدہ انجم، راس کرگل سے کالم نگار مصباح شبیر نے اپنے الگ الگ پیغام میں مجوزہ کانفرنس کے انعقاد پر کالج کے پرنسپل ڈاکٹر شفقت حسین رفیقی کے نام نیک خواہشات کا پیغام دیتے ہوئے شرکت کی یقین دہانی کرائی ہے۔ وہیں ان تمام ادیبوں نے کہا کہ ریاست جموں کشمیر کے دور دراز پہاڑی دشوار گذار علاقہ میں وسائل کی کمی کے باوجود ایسی کانفرنس کا انعقاد ایک بہت بڑا تاریخی فیصلہ ہے انشاء اللہ اس کے کامیاب انعقاد کے بعد یہ ایک تاریخ ہوگی جس پر آنے والی نسلیں فخر محسوس کریں گی اور یہ یہاں کے فن، ادب، علم دوستی اور یہاں کے لوگوں کی ادب سے محبت و عقیدت کی علامت کے طور یاد کی جائے گی اور ہندو پاک کے ادبی حلقوں میں ڈوڈہ اپنا ایک منفرد مقام بنائے گا اور آئندہ آنے والے برسوں میں ڈوڈہ میں ادب کے حوالے سے بین الاقوامی کانفرنسوں کے انعقاد کے لئے راہ ہموار کرے گا۔ ان ادیبوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ دو روزہ کانفرنس میں شرکت کے لئے ڈوڈہ آنے کے لئے بے چین ہیں۔

ڈوڈہ کالج میں یک روزہ قومی اردو سیمینار منعقد

ڈوڈہ// نمائندہ اڑان// گورنمنٹ ڈگری کالج ڈوڈہ میں شعبہ اردو کی جانب سے یک روزہ قومی اردو سیمینار منعقد کیا گیا۔ اس سیمینار میں جموں یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے ایچ او ڈی پروفیسر شہاب عنایت ملک بطور مہمان خصوصی شامل ہوئے تاہم ان کے علاوہ پروفیسر اسداللہ وانی، پروفیسر محمد ریاض احمد، ہاشمی کنٹرولر امتحانات یونیورسٹی جموں وغیرہ بھی شامل تھے۔ اس موقعہ پر ڈوڈہ کالج کے پرنسپل شفقت رفیقی نے تمام ممبران کا استقبال کرتے ہوئے کالج کی جانب سے اردو زبان کیلئے دی گئی خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ تاہم اس پروگرام کے دوران دیگر یونیورسٹیوں سے آئے ہوئے مہمانوں نے اپنے ریسرچ پیپر بھی پیش کئے۔ یاد رہے مذکورہ سیمینار خطہ چناب میں اپنی نوعیت کا پہلا ایسا سیمینار ہے جس میں دیگر یونیورسٹیوں سے بھی ممبران شرکت کر رہے تھے۔

Department of Urdu, GDC Doda organizes one day National Urdu Seminar

ABID PAMPORI

DODA : Department of Urdu, Government Degree College (GDC) Doda organized one day National Seminar on " Role of Language and Literature in Global Peace". On the occasion, Prof. Shohab Anayat Malik was the chief guest while Prof. Asadullah Wani was guest of honour. In addition, Prof. Syed Z A Hashmi Controller of Examination Cluster University was the special guest. Welcome address was given by Dr. Shafqat Rafiqi Principal and Chief Patron of college. The programme was organised by Dr. Akhtar Hussain HoD Urdu and coorganised by Dr. Imtiaz Ahmed Asstt Professor Urdu. During the seminar college Newsletter

" The Transparent" was also released in presence of convener Newsletter Dr. Wahied Khawar Balwan. During the seminar researchers from Aligarh Muslim University, Osmania University Hyderabad, University of Jammu, Delhi University and others participated and presented their research paper on the theme of the conference.

It is pertinent to mention here that seminar is the first of its kind in erstwhile Doda district for which credit goes to administration GDC Doda in general and Department of Urdu in particular.

One-Day Urdu National Seminar organised by GDC Doda

ABID HUSSAIN WANI
KHALSA EXPRESS NEWS

DODA, DEC 23: It was first time in the history of Chenab Valley.

One-Day urdu national seminar organised on role of language and literature in global peace at Government Degree College Doda by Department of Urdu on Saturday here.

The event was graced by the presence of several eminent dignitaries which included Chief Guest Head of Department Urdu Jammu University Shahab Anayat Malik guest of honour Prof Asadullah Wani, special guest Prof Syed Z.A Hashmi, Controller of Examination Cluster University.

The welcomed adress was given by Principal and Chief Pattron of College Dr Shafqat Hussain Rafiqi. The programme was orgainsed by HOD Urdu Dr Akther Hussain Udyanpuri and co-organised by Dr Imtiaz Ahmed Asstt Prof Urdu.

On this occasion, Various Professors and students from Aligarh Muslim University, Jawahar Lal Nehru University, Osmania University Hyderabad, University of Delhi, University of Jammu Bhaderwah and Doda were participated.

During the seminar college Newsletter "The Transparent" was also released in the presence of convenor Newsletter Dr Wahied Khawar Balwan.